وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۲ شمارہ نمبر ۱ محرم الحرام ۱۴۴۶ھ اگست ۲۰۲۴ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

معیشت کی تنگی اور ہمارے اجتماعی رویّے	کلمۃ المدیر	۳
قرآن کی عظمت نتائج کی روشنی میں	حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی نوّر اللہ مرقدہ	۶
ہجری سال کا آغاز اور اس کی اہمیت	مولانا محمد یوسف خان کشمیری	۱۳
قادیانیوں کی وکالت پر جناب مجیب الرحمن شامی سے چند گزارشات	حضرت مولانا اللہ وسایا	۱۸
اَسانیدِ حدیث میں وارِد حرف ''حاء'' کی تحقیق	مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود گلگتی	۲۹
مقام صحابہ قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا شفیق احمد اعظمی	۴۰
سیّدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما	جناب عطاء محمد جنجوعہ	۴۴
ائمہ وخطبا کی ذمہ داریاں	مولانا عبدالواحد رسول نگری	۵۴
علمائے کرام کی قدر کریں	مولانا طارق علی عباسی	۵۸
ولی کامل حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ رحمہ اللہ	سید ذکر اللہ حسنی	۶۰
تبصرۂ کتب	محمد احمد حافظ	۶۴

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک — قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

معیشت کی تنگی اور ہمارے اجتماعی رویّے

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

گزشتہ ماہ پاکستان کا قومی بجٹ اسمبلی میں پیش کیا گیا، جسے پاکستان کی قومی اسمبلی نے تنخواہ دار طبقے پر ٹیکسز کے مزید بھاری بوجھ کے ساتھ مالی سال 25-2024 کے بجٹ کی منظوری دی ہے۔تفصیلات کے مطابق وفاقی حکومت نے 18 ہزار 877 ارب کا بجٹ پیش کیا۔اس میں سے تقریباً 10 ہزار ارب روپے عالمی مالیاتی اداروں سے لیے گئے سودی قرضوں کی ادائیگی میں خرچ ہوں گے۔

یہ فائنانس بل ایسے وقت میں منظور کیا گیا ہے کہ جب پاکستان بیرونی قرضوں کی ادائیگی کے لیے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) سے چھ سے آٹھ ارب ڈالر کے پروگرام کے لیے مزید مذاکرات کرنے جا رہا ہے۔بجٹ میں ٹیکس کی وصولی کا ہدف بڑھایا گیا ہے جس میں براہ راست ٹیکسز پر 48 فیصد جبکہ بلاواسطہ ٹیکسز میں 35 فیصد اضافہ کیا گیا۔اس بجٹ میں تنخواہ دار طبقے پر ٹیکس کی شرح کو بھی بڑھایا گیا ہے۔

جیسا کہ معمول ہے کہ بجٹ اجلاس کے بعد اسمبلی میں بجٹ پر بحث کی جاتی ہے اور زوردار تقریریں ہوتی ہیں، ایک ایک نکتے کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔حالیہ بجٹ پیش کیے جانے کے بعد بھی اراکین اسمبلی خصوصاً اپوزیشن ارکان نے بجٹ اہداف کے نتائج واثرات پر کھل کر گفتگو کی اور عوام کو بہت سی باتیں پہلی مرتبہ معلوم ہوئیں جو پہلے کبھی زیر بحث یا زبانوں پر نہیں آئی تھیں۔ایک نکتہ جس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ یہ بجٹ عوامی نمائندوں کا بنایا ہوا نہیں بلکہ آئی ایم ایف کا تیار کردہ بجٹ ہے۔

ہمیں یہاں بجٹ کی تفصیلات پیش نہیں کرنی ہیں، بلکہ اس نکتے پر توجہ دلانی ہے کہ ایک مدت سے وطن عزیز کی معیشت واقتصاد ابتری اور بدحالی کا شکار ہے۔معیشت واقتصاد کی بہتری اور بحالی کے جو نسخے تجویز کیے جاتے ہیں اور جن تجاویز پر عمل کیا جاتا ہے؛ان سے بجائے بہتری آنے کے ہماری معیشت مزید تنگ ہوتی چلی جارہی ہے۔ملکی معیشت کا انحصار سودی قرضوں پر ہے، یہ قرضے اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ ان کی ادائیگی کے لیے مزید سودی قرضے حاصل کیے جاتے ہیں۔سودی قرضوں کی ادائیگی کے گھن چکر نے قومی معیشت کو کچھ اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ اس چکر سے باہر نکلنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتے۔معاشی اہداف کے حصول کے لیے جو میکنزم بنایا گیا ہے وہ بھی عادلانہ اور منصفانہ نہیں، ملک میں طبقہ واریت ہے، ایک طبقہ وہ ہے جو معاشی گرداب میں پس رہا ہے؛اور ایک وہ طبقہ ہے جسے

اشرافیہ کہا جاتا ہے، جو مراعات یافتہ ہے، اِس طبقے کے لیے بھاری بھر کم تنخواہیں، مفت بجلی، مفت پیٹرول، ہوائی سفر کے لیے مفت ٹکٹ وغیرہ وغیرہ؛ سب کچھ ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی انہیں بھاری پینشنز اور مراعات دستیاب رہتی ہیں۔ ان مراعات پر اٹھنے والے اخراجات عوام کی جیبوں سے ٹیکس نکال کر پورے کیے جاتے ہیں۔ بجٹ پیش ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خسارے پورے کرنے کے لیے مزید ٹیکس لگا دیا گیا ہے، یہ بھی اسی عام پاکستانی نے؛ ملازمت پیشہ طبقے نے ادا کرنا ہے۔ لیکن اشرافیہ کی بھاری مراعات میں کبھی کٹوتی نہیں ہوتی، کبھی ایسی پالیسی نہیں لائی گئی جو سادگی، قناعت پروری اور کفایت شعاری پر مبنی ہو۔

یہاں رک کر ذرا ہم ''عوام'' کو بھی اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، کہنے کو ہم اپنے حکمرانوں اور بالا دست طبقوں پر تنقید کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں، لیکن اپنے گریبان میں جھانکنے کے لیے کم ہی تیار ہوتے ہیں۔ ہم معیشت کی تنگی کے ظاہری اسباب پر تو نگاہ رکھتے ہیں، مگر باطنی اسباب پر ہماری نگاہ نہیں جاتی۔ کیا من حیث المجموع ہم نے زندگی کے ہر شعبے میں دینی تعلیمات اور آسمانی ہدایات سے رُوگردانی کا وطیرہ نہیں اپنا رکھا؟۔ کیا ہمارے کسان اپنی فصلوں پر عشر کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں؟ کیا ہمارے تجار اپنی تجارت کو شرعی اصولوں پر استوار رکھتے اور اس پر سالانہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں؟ کیا ہمارے ملازم طبقات اپنے ملازمانہ فرائض کو دیانت داری سے پورا کرتے ہیں؟ کیا ہماری عدالتیں شرعی احکام کے مطابق عدل وانصاف پر مبنی فیصلے کرتی ہیں؟..... مزید برآں معاشرے میں فحاشی وعریانی، جھوٹ، دَغا، چور بازاری، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، اسراف وتبذیر..... یہ سب عام ہے۔ جب احکام الٰہی سے رُوگردانی کا یہ عالم ہے تو پھر کیوں نہ ہم معیشت کی تنگی کا شکار ہوں؟!۔

سب سے بڑی بات یہ کہ یہ وطن ہم نے اس لیے حاصل کیا کہ یہاں شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہوگا، اسلامی معیشت واقتصاد اور اسلامی معاشرت کا احیا ہوگا۔ مگر ہم نے اس عظیم وطن جیسی نعمت کی ناقدری کی، اس کے قیام کے وقت کیے گئے وعدوں کو یکسر بھلا دیا۔ قرآن سے اِعراض کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے منہ موڑا؛ نتیجہ آج سب کے سامنے ہے۔ قرآن مجید میں تو صاف صاف اعلان ہے کہ:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۴)

''اور جو میرے 'ذکر' (قرآن، احکام شریعت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اُٹھائیں گے۔''

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہاں (اس آیت میں) ذِکر سے مراد قرآن بھی ہوسکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بھی

جیسا کہ دوسری آیات میں ذکراً رسولاً آیا ہے۔ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص قرآن سے یا، رسولؐ اللہ سے اعراض کرے، اس کا انجام یہ ہے کہ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى یعنی اس کی معیشت تنگ ہوگی اور قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ پہلا عذاب دنیا میں ہی اس کو مل جائے گا، دوسرا، یعنی اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا''۔ (معارف القرآن، ج ۶، ص ۱۵۹)

پھر سود کا معاملہ دیکھ لیجیے؛ سود کی قباحت وشناعت ایسی ہے؛ اور یہ اتنی بڑی اقتصادی ومعاشرتی برائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودخوری پر واضح اعلانِ جنگ فرمایا ہے۔

یہ تفصیل عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی معیشت کی بربادی کا درست سمت میں جائزہ لیں۔ اپنے زاویہ نظر کو درست کریں۔ سارا دوش آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو نہیں دیا جاسکتا۔ اس میں ہمارا لالچ، ہماری بے مہار خواہشات، اور بے لگام تمنائیں بھی شامل ہیں۔

جانیے!..... کہ ابھی توبہ اور عمل کی مہلت باقی ہے، ہم واپس پلٹ آئیں، اعراض واستکبار کے رویّے ترک کردیں، اللہ کی طرف، قرآن اور سنت رسول کی طرف رجوع کرلیں، ان شاء اللہ؛ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں گے۔ اور ہمیں امن چین اور خوشحالی کی زندگی نصیب ہوگی۔

پنجاب میں میٹرک کے امتحانات میں دینی مدارس کے طلبہ کی نمایاں کارکردگی

رسالہ فائنل کرتے ہوئے پنجاب میں میٹرک امتحانات کے نتائج سامنے آئے، یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ الحمدللہ دینی مدارس سے وابستہ طلبہ نے میٹرک کے امتحانات میں نمایاں کارکردگی دکھائی ہے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان کی شاخ الخیر پبلک اسکول کے طالب علم نے ملتان میٹرک بورڈ میں پہلی پوزیشن حاصل کی، جامعہ حنفیہ بورے والا کے دو طالبعلموں نے بالترتیب ملتان بورڈ میں دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی، اسی طرح ساہیوال بورڈ میں بھی دینی مدارس کے طلبہ نے پوزیشنیں حاصل کی ہیں۔ یہ دینی مدارس کی محنت، تربیت اور حسن کارکردگی کی زندہ مثال ہے؛ اور متعلقہ مدارس مبارک باد کے مستحق ہیں۔

دوسری جانب لاہور میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کے بیشتر طلبہ پوسٹ گریجویشن کے امتحان میں فیل ہوئے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ یونیورسٹی کے بعض شعبوں کے تمام طلبہ فیل ہوئے ہیں؛ اور بعض میں اِکا دُکا پاس ہوئے ہیں۔ اس سے سرکاری تعلیمی اداروں کی حالت زار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جب ہمارے تعلیمی اداروں میں تعلیم کی بجائے مخرب اخلاق پروگرام منعقد کیے جاتے ہوں، ہولی اور دیوالی کے تہوار منائے جاتے ہوں، تو پھر یہی نتائج سامنے آئیں گے جو کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی کے آئے۔ اس صورت حال سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصلاح احوال کی ضرورت دینی مدارس کو نہیں؛ عصری تعلیمی اداروں کو ہے۔

قرآن کی عظمت نتائج کی روشنی میں

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی نوّر اللہ مرقدہ

لسانی عظمت: قرآن کی زبان عربی ہے؛ اور تورات کی زبان عبرانی، انجیل کی زبان عبرانی یا سریانی ہے۔ قدرت کے تصرفات عجیب ہیں، جب قدرتِ الٰہیہ نے یہ طے کیا کہ انسانیت کی اصلاح کے لیے آخری کتاب عربی زبان میں نازل کی جائے گی اور وہی کتاب انسانیت کے لیے آخری ضابطہ حیات ہوگی۔ باقی آسمانی کتابیں اس کی آمد پر منسوخ ہوں گی تو قدرت نے اولاً ان کتابوں کی زبان کو ختم کر کے عملی زندگی سے خارج کر دیا۔ آج یہود و نصاریٰ کی پوری کوششوں کے باوجود دنیا کے وسیع رقبہ میں ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع یا ایک تحصیل بھی ایسی موجود نہیں، جہاں کے عوام عبرانی یا سریانی زبان بولتے ہوں، حالانکہ تورات، انجیل کے نزول کے زمانے میں یہ دونوں زبانیں ملکی زبانیں تھیں۔ البتہ بعض اسکولوں، اور کالجوں میں عِلْمُ الْاَلْسِنَة کے تحت ایک مردہ زبان کی شکل میں خال خال ان کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن زندگی میں ان زبانوں کا عمل و دخل نہیں، بلکہ جو کتابیں فی الحقیقت آسمانی نہ تھیں اور ان کے ماننے والوں نے ان کو آسمانی قرار دیا تھا، ان کو بھی اور ان کی زبانوں کو بھی قدرت کے زبردست ہاتھ نے عبرانی اور سریانی زبان کی طرح دنیا سے ختم کر دیا، مثلاً وید جو سنسکرت زبان میں ہیں، اور ژند و پاژند جو ذری زبان میں ہیں، یہ دونوں زبانیں آج کسی خطہ زمین میں عوام استعمال نہیں کرتے، لیکن قرآن حکیم جو آخری کتاب الٰہی تھی، اس کی عربی زبان جس کی حفاظت کا انتظام بھی نہ تھا، کیونکہ وہ ناخواندہ اور غیر متمدن قوم کی زبان تھی، اس کو قرآن کی طرح قدرت نے ہمیشہ باقی رکھنا تھا تو اس کے دائرے کو وسیع کیا۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں وہ صرف حجاز، یمن اور نجد میں بولی جاتی تھی، اب اس کے علاوہ عراق، شام، فلسطین، لبنان، مصر، سوڈان، طرابلس، الجزائر، مراکش اور ٹیونس میں بولی جاتی ہے اور باقی عالم اسلام انڈونیشیا، ملایا، پاکستان، ایران، ترکی، افغانستان وغیرہ کے اہل علم بھی اس کو بولتے اور سمجھتے ہیں، یہ قرآن کی وہ عظمت ہے جو دیگر کتبِ سماویہ کو حاصل نہیں، جس کی زبان کے لیے خود قدرت نے میدان صاف کیا، بغیر انسانی تدبیر کے اس کو پھیلایا اور دیگر کتب سماویہ کی زبانوں کو تقریباً ختم کیا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْن عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ

اللہ تعالیٰ نے قرآن روح الامین کے ذریعہ یعنی جبرئیل کے ذریعہ تم پر یعنی تیرے دل پر اتارا تا کہ تم ڈر سناؤ اور

نازل شدہ وحی صرف مضمون کی نہیں بلکہ الفاظ کے لباس میں ہے، بلسان عربی مبین جو واضح عربی زبان میں ہے۔

ساحروں، کاہنوں، اور شاعروں کی طرح چیستان نہیں، اور نہ اصل مقصد پیچیدہ ہے، البتہ قانونی وفقہی احکام میں قوتِ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ پند ونصیحت کے لیے قرآن آسان کیا۔ استنباط احکام کے لیے فرمایا: لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ تو جان لیتے ان احکام کو وہ لوگ جو استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حفاظتی عظمت:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ہم نے قرآن کے الفاظ ومعانی کو اتارا ہے، اور ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، دو بار إِنَّا اور دو بار لام لانا گویا چار تاکیدوں سے اس مضمون کو جملہ اسمیہ کے قالب میں موکد کرنا ہے کہ یہ کتاب لفظ ومفہوم دونوں کے اعتبار سے محفوظ ہوگی اور محافظ بھی مخلوق نہیں بلکہ خالقِ کائنات ہے جیسی اس کی قدرت وقوت لاجواب ہے ویسی اس کی حفاظت بھی بے نظیر ہوگی، جس میں کوئی قوت رخنہ نہ ڈال سکے گی، قرآن کی حفاظت کا جو موکد وعدہ کیا گیا ہے یہ وعدہ چار امور کی حفاظت کو شامل ہے۔

۱۔ حفاظت قرآن۔ ۲۔ حفاظت طرز وتلفظ ولہجہ قرات قرآن

۳۔ قرآن کے مطالب ومعانی کی حفاظت۔ ۴۔ قرآن کی عملی شکل کی حفاظت

بحمد للہ حفاظت کی یہ چاروں قسمیں آج تک موجود ہیں اور ان میں آج تک کوئی فرق نہیں آیا۔ مشتشرقین نے حفاظت پر شبہ پیش کیا ہے۔

شبہ نمبر ۱۔ کہ قول ابن مسعود ہے کہ فاتحہ ومعوذتین قرآن سے نہیں۔

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ ابن مسعود کی طرف اس قول کا منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، جیسے نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے: وما نقل من ابن مسعود لیس بصحیح اور ابن خزم نے القدح المعلی میں لکھا ہے:

هذا كذب على ابن مسعود وانما صح عند قرأة عاصم من زر عنه وفيها المعوذتان والفاتحه

یعنی انکار فاتحہ اور معوذتین کو ابن مسعود کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے، بلکہ ابن مسعود سے صحیح قرأت جو حضرت عاصم نے حضرت زر کے ذریعہ ان سے نقل کی ہے وہی ہے، اور اس میں فاتحہ ومعوذتین موجود ہی ہے۔

دوم اگر یہ قول ثابت مانا جائے، تو ابن الصاع فرماتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے کہ ان کا تواتر معلوم نہ تھا، جب ابن مسعود کو یہ تواتر معلوم ہوا تو رجوع کیا، اور دلیل رجوع خود ابن مسعود کی قرأت ہے، جو عاصم نے زر کے ذریعہ ان سے نقل کی ہے۔

سوم   جوابن قتیبہ نے مشکلات القرآن میں یہ جواب دیا ہے کہ ابن مسعود فاتحہ اور معوذتین کی قرأت کے قائل تھے۔ کتابت کا انکار کر رہے تھے، کہ کتابت محفوظیت کے لیے ضروری ہے، اور یہ تینوں سورتیں ہر ایک کو یاد ہیں، لکھنے کی ضرورت نہیں، انھما لیستا من کتاب اللہ۔ میں کتاب اللہ سے مراد مصحف ہے، یعنی یہ دونوں فاتحہ اور معوذتین مصحف کا جزءمکتوب نہ ہونا چاہیے۔

شبہ نمبر ۲۔   مستشرقین نے دوسرا شبہ حفاظتِ قرآن پر یہ پیش کیا کہ شیعہ تحریف کے قائل ہیں، جواب یہ ہے کہ اسلام کا کوئی فرقہ تحریف کا قائل نہیں، عام شیعہ بھی تحریف کے منکر ہیں۔ شیخ صدوق رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں: مابین الدفتین لیس باکثر من ذلک و من نسب الینا انہ اکثر فھو کاذب۔ تفسیر مجمع البیان ابوالقاسم علی بن الحسین الموسوی میں ہے:

ان القرآن علی عھد رسول اللہ مجموعا مولفا علی ماھو الان۔ سید مرتضیٰ شیعی لکھتے ھیں: ان العلم بصحۃ القرآن کا العلم بالبلدان والوقائع الکبار..... قال نور اللہ الشوتری الشیعی فی مصائب النواصب مانسب الشیعہ الی الامامیۃ بوقوع التفسیر فی القرآن لیس مما قال بہ جمھور الاسلامیہ انما قال بہ شرزمۃ قلیلۃ لااعتماد بھم۔

ترجمہ: شیخ صدوق صاحب شیعی رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ قرآن کے دونوں جلدوں کے درمیان جو کچھ ہے، قرآن اس سے زیادہ نہیں اور جس نے ہم شیعوں کو منسوب کیا ہے کہ قرآن اس سے زیادہ ہے وہ جھوٹا ہے۔ تفسیر مجمع البیان معتبر شیعی تفسیر میں ہے کہ قرآن حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جمع تھا، اسی شکل میں جس میں اس وقت ہے، سید مرتضیٰ شیعی لکھتے ہیں کہ موجودہ قرآن کے صحیح ہونے کا علم ایسا متواتر اور یقینی ہے، جیسے بڑے بڑے شہروں کا وجود اور بڑے بڑے واقعات کا ہونا۔ قاضی نوراللہ شوتری شیعی مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ شیعہ امامیہ کی طرف جو قرآن کی تفسیر منسوب ہے؛ وہ عام شیعوں کا قول نہیں، ایک بہت چھوٹے گروہ کا قول ہے۔ جس کا اعتبار نہیں۔ ان حوالہ جات سے ظاہر ہوا کہ جمہور شیعہ تحریف نہیں مانتے۔

شبہ نمبر ۳۔   اختلاف قرأت سبعہ کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اختلاف قرأت ومنسوخ التلاوت مثلاً آیت رجم سے تحریف کا شبہ کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ تحریف اس کو کہتے ہیں کہ کسی شاہی دستاویز میں دوسرا آدمی اپنی طرف سے کوئی لفظ ڈالے یا کوئی لفظ نکال دے، لیکن خود متکلم اگر ایسا تصرف کرے کہ کسی حکمت کے تحت کسی لفظ کا اضافہ یا ازالہ کرے۔ یہ دنیا کے کسی قانون میں تحریف نہیں۔ اختلافِ قرأت اور نسخ تلاوت اسی قسم میں داخل ہیں۔ جو خود متکلم یعنی اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے نہ کہ غیر کی طرف سے۔

الفاظ کی حفاظت:

الفاظِ قرآن کی حفاظت کا انتظام تحریری صورت میں کر دیا گیا کہ تیونس، مراکش، کاشغر، ماسکو، اور ازبکستان بلکہ تمام کرۂ ارضی کے قرآنی نسخوں میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں، اور حفظ قرآن کے ذریعے بھی حفاظت کا انتظام کر دیا گیا، کہ اگر دنیا میں خدانخواستہ قرآن کا کوئی تحریری نسخہ باقی نہ رہے۔ تو بھی کوئی اسلامی شہر، تحصیل، ضلع اور قصبہ ایسا نہیں، جہاں قرآن کے حافظ موجود نہ ہوں۔ اور مجموعی طور پر ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جو اپنے سینوں سے قرآن دوبارہ مرتب کر سکتے ہیں۔ یہ ایک غیبی اور الٰہی کشش ہے جو حفاظ قرآن کو قرآن سے ہے۔ اگر چہ وہ حفاظ ہندو پاکستان، ایران، افغانستان، ملایا، انڈونیشا کے ہوں جن کی زبان عربی نہیں لیکن وہ محنت کر کے قرآن حفظ کرتے ہیں، حالانکہ نہ حکومت سے ان کو اس حفظ کا کوئی صلہ ملتا ہے، نہ ہی عام مسلمانوں کی طرف سے کوئی خاص معاوضہ دیا جاتا ہے اور پھر محنت اتنی سخت کرنا پڑتی ہے جس کی حد نہیں۔ پھر یہ محنت سال دو سال کی نہیں، حافظ جب تک زندہ رہے گا اس کو دَور و تکرار کرنا لازمی ہوگا، بتاؤ یہ اگر غیبی کشش نہیں تو اور کیا ہے؟!۔ اور یہ قرآن کی عظمت کی وہ دلیل ہے جو آج تک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی، اسی ذوق اور حلاوت اور جذب کا نتیجہ ہے کہ سلف میں بہت سے حضرات ایسے گزرے ہیں جو روزانہ دس ختم قرآن شریف کے کرتے تھے بلکہ قسطلانی میں ہے کہ قدس شریف میں اس سے زیادہ ختم کرنے والے کو دیکھا گیا اور بعض حضرات نے تین دن میں قرآن حفظ کیا۔ جیسے محمد بن کلبی جس کا ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

طرزِ تلفظ اور نہج قرأت کی حفاظت:

نزولِ قرآن کے زمانے میں جس طرز و لہجہ سے قرآن کا تلفظ ہوتا تھا، اس کو قراءِ قرآن کے ذریعہ محفوظ کیا گیا، اور وہی سلسلہ قرأت آج تک محفوظ ہے جن صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے قرأت حاصل کی ہے اور مابعد زمانے کے قراء کے بالذات یا بالواسطہ شیوخ و اساتذہ تسلیم کیے گئے اور ان کا سلسلہ قرأت آج تک موجود ہے وہ یہ سات حضرات ہیں۔ عثمان، علی، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، ابو الدرداء، ابو موسیٰ الاشعری (مناہل القرآن ج ۱ ص ۴۰۷)

معنوی حفاظت یعنی مطالب قرآن کی محفوظیت:

الفاظِ قرآن مطالب و معانی سمجھانے کا ذریعہ ہیں، اگر مطالب و معانی قرآن محفوظ نہ ہوں بلکہ مغرب زدہ طبقہ کے خیال کے مطابق ہر زمانہ میں نئے مطلب تراشنے کی گنجائش ہو تو الفاظ قرآن کی حفاظت بے کار ہے، جب کہ معنیٰ

محفوظ نہ رہے اور الفاظ کا حفظ بے مقصد ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معانی کی حفاظت صاحبِ قرآن کے قولی وفعلی تقریری ذرائع سے فرمائی اور صاحبِ قرآن علیہ السلام نے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (کہ آپ ان کو مطالب قرآن سکھلا دیں) وَلِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (تا کہ آپ بیان کریں امت کو قرآن کے مطالب جو ان کی طرف نازل ہوا ہے) کہ ارشادِ الٰہی کے تحت مطالب قرآن کی تعلیم دی۔ اب مطالب بھی محفوظ ہو گئے اور کسی کو مجالِ ترمیم وتحریف نہیں کہ قرآن کے مطالب کو بدل سکے یا ان میں ترمیم کر سکے۔

عملی حفاظتِ قرآن:

قرآن کے جن الفاظ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، جہاد وغیرہ کے مفہومات شرعیہ حضور علیہ السلام نے بتلائے ہیں، وہ پھر عملاً بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد کا نمونہ کر کے دکھایا دیا، تا کہ قرآنی حقائق عملی صورت میں موجود ہو کر ان کی عملی زندگی کا جز بن جائیں اور کسی ملحد کو ان الفاظ کے شرعی مفہومات کی تحریفات کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

توضیحی مثال:

احکام دین کے مجموعہ کو ایک عمارت سمجھو، ہر عمارت کے لیے تین قسم کا وجود لازمی ہے۔ ۱۔ علمی وجود۔ ۲ تحریری وجود۔ ۳۔ خارجی وجود۔

اسی طرح اسلام اور دین کا جو نقشہ علم الٰہی میں تھا وہ اسلام کا علمی وجود ہے۔ پھر اسی نقشہ کو جب کتاب وسنت کی شکل میں مرتب کیا گیا۔ یہ اسلام کا تحریری وجود ہے، پھر دورِ اول کے مسلمانوں نے جب اس کے مطابق عمل کیا۔ یہ اس کا وجودِ خارجی ہے۔ ان سے تابعین نے دیکھ کر سیکھا، ان سے تبع تابعین نے علی ہذا القیاس!۔ اسلام کا یہ عملی وخارجی وجود کم وبیش تاریخی تسلسل کے ساتھ عہد نبوت سے آج تک موجود ہے، اور قیامت تک رہے گا، جیسے ایک انجینئر بلڈنگ کا نقشہ پہلے ذہن میں مقرر کرتا، پھر اس کو کاغذ پر بناتا ہے۔ پھر ملبہ منگوا کر مستری اور مزدوروں کے ذریعے خارجی نقشہ تیار کرتا ہے۔ ان تینوں نقشوں میں مطابقت اور موافقت ضروری ہے۔ ورنہ غلطی ہوگی، تو اسی طرح اسلام کی ایسی جدید تعبیر یا نقشہ جو اسلام کے تحریری نقشہ اور خارجی نقشہ یعنی اسلام کے تاریخی مسلسل وجود خارجی کے جو خلاف ہو وہ غلط اور ایجاد دہندہ ہوگا۔

اس سے اسلام کے اندر ہر تحریف وترمیم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام کے قوانین ابدی ہیں، جیسے وہ اس سے قبل ہزار بارہ سو سال مختلف اقوام اسلامی اور مختلف ملکوں اور زبانوں کی رہنمائی کے لیے کافی تھے، آج بھی کافی ہیں اور آئندہ بھی کافی رہیں گے، بلکہ زمانہ حاضرہ اسلامی قوانین کا اس سے زیادہ محتاج ہے، جس قدر پہلا دور محتاج

تھا، یہی قرآن کا وہ کمال اور عظمت ہے جو قبل ازیں کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ انسان اور اس کا قانون جذباتی ہے، لیکن قرآن اور قانونِ الٰہی فطری اور اعتدالی ہے۔

قرآن کی بلاغی عظمت:

قرآن ایک کتاب ہے، جس کو ہم خدا کی کتاب کہتے ہیں، اس کے علاوہ ہزاروں کتابیں اور بھی موجود ہیں جن کو ہم انسانوں کی کتابیں مانتے ہیں، قرآن کو ہم خدا کی طرف اور دیگر کتابوں کو انسان کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں اور اس کا معیار کیا ہے؟ معیار وہی ہے، جس کو روزمرہ کی زندگی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ سائیکل اور موٹر انسان کے بنائے ہوئے ہیں، اور سورج و چاند خدا کے، کیونکہ سورج اور چاند کا بنانا انسانی قدرت سے خارج ہے، لیکن سائیکل اور موٹر ایسا نہیں، یہی معاملہ اور معیار بعینہٖ کتابوں کے متعلق برتا جاسکتا ہے، سائیکل، موٹر، سورج چاند چاروں تخلیقی کام ہیں، اول الذکر دو چیزیں انسانی قدرت کے دائرے میں داخل ہیں اور آخر کی دو چیزیں انسانی قدرت سے خارج ہیں اور خارج ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اب تک انسان سے سورج اور چاند نہ بن سکے اور نہ ہی اس نے کوئی ایسا کارخانہ قائم کیا کہ جس میں سورج اور چاند بنتے ہوں، اس کے باوجود کہ قرآن کا ظہور ایک نبی اُمّی کی زبان سے ہوا، جو نوشت وخواند سے خالی تھے۔ نظم ونثر کہنے والوں میں آپ کا کوئی نام تھا نہ ان کے ساتھ محبت ومجالست تھی۔ پھر قرآن کا اسلوبِ بیان ایسا بنا تھا کہ سارے عرب میں اس کا نمونہ موجود نہ تھا۔ اور قرآن جن علوم عالیہ پر مشتمل تھا، ان سے عرب اور غیر عرب سب بالکل محروم تھے اس کے علاوہ عرب میں بے مثال فصیح وبلیغ شعراء موجود تھے جن کو اپنے کمال پر ناز تھا اور قرآن اور صاحب قرآن کے بدترین دشمن تھے، وہ قرآن کے توڑ کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔ ان حالات میں قرآن نے اعلان کیا کہ اس کتاب کی طرح چھوٹی سی سورت بنالاؤ۔ اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ تم اور تمہارے سارے معبود جمع ہوجائیں، جب بھی ایسا نہ کرسکیں گے۔

اس اعلان نے غیور شعراء پر کیا اثر ڈالا ہوگا؟! لیکن جو ناممکن تھا وہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا اور آج بھی ہزاروں عیسائیوں اور یہودیوں کی مادری زبان عربی ہے، جو لبنان، مصر اور شام وغیرہ میں آباد ہیں اور عربی کی بیسیوں جلدیں اور ڈکشنریاں عربی زبان کی لکھی ہی، وہ قرآن کے دشمن بھی ہیں۔ لیکن ممکن ہے چاند پر وہ مکان بناسکیں، لیکن یہ کہ سورۂ کوثر کے برابر ایک سطر کی سورت بنالائیں یہ ناممکن ہے، جو قرآن کی عظیم الشان بلاغی عظمت کی دلیل ہے جس نے پوری انسانیت سے اپنی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔

مشتشرقین یورپ نے فیضی کی تفسیر بے نقط اور ابن امراوندی یہودی کی کتاب تاج کو قرآن کے توڑ میں پیش کیا ہے، حالانکہ ان دونوں مصنفوں نے خود یہ دعویٰ نہیں کیا، ہم دونوں شبہوں کا جواب لکھتے ہیں، فیضی کی تفسیر بے نقط کو

بے نظیری میں مثالاً پیش کرنا بے سود ہے، خود فیضی اپنی تفسیر کو قرآن کا توڑ نہیں سمجھتا، تو دوسرے کا دعویٰ بے نظیری ایسا ہے کہ مدعی سست اور گواہ چست، فیضی خود دیباچہ تفسیر مذکور جس کا نام سواطع الالہام ہے، میں لکھتے ہیں:

کلام اله لاحد الحامده و لا عد لمکارمه و ماء لا ساحل له۔

قرآن کی خوبیوں کی حد نہیں، اور اس کی فضیلتیں بے شمار ہیں، وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں۔

اس کے علاوہ یہ صنعت عرب میں موجود تھی۔ تمام عبارت نقطہ دار حروف یعنی حروفِ معجم سے مرکب ہو تمام عبارت مہملہ یعنی بے نقط حروف سے مرکب ہو۔ ایک کلمہ معجمہ حروف کا ہو ایک مہملہ کا، یہ سب مقامات حریری وغیرہ میں موجود ہے۔

شبہ ابن امراوندی کی تاج کا:

باقی ابن امراوندی یہودی زندیق جو یہود و نصاریٰ سے رقم لے کر اس نے ''التاج والفرید'' لکھا: اس کے متعلق ایک اور ملحد ابوالعلا المعریٰ نے لکھا ہے:

لا یصلح تاجه ان یکون نعلاً

ترجمہ: ''اس کی کتاب تاج چپل بننے کے بھی قابل نہیں۔'' (مناہل القرآن) (باقی آیندہ)

حضرت ناظم اعلیٰ وفاق المدارس کو صدمہ

استاذ العلماء، بانی جامعہ خیر المدارس ملتان؛ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی اور ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم کی پھوپھی صاحبہ بقضاء الٰہی وفات پا گئیں۔ ان کی نمازِ جنازہ 23 جون بروز پیر جامعہ خیر المدارس ملتان میں ادا کی گئی۔ آنمحترمہ حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی آخری صلبی اولاد تھیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مرحومہ کی کامل مغفرت فرمائے اور جملہ پسماندگان ولواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔

جامعہ خیر المدارس کے قدیم استاذ عاشقِ قرآن، استاذ القرآء حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس شعبہ تجوید وقرأت جامعہ خیر المدارس ملتان ۲۷ رجون کو رحلت فرما گئے؛ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔ حضرت قاری محمد اسحاق صاحبؒ استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش نور اللہ مرقدہ کے شاگرد خاص تھے۔ آپ نے جامعہ خیر المدارس میں تقریباً 55 سال قرآن کریم کی خدمت کی، نہایت متقی، شب زندہ دار انسان تھے۔ فنا فی القرآن تھے، ان کی زبان ہمیشہ تلاوت قرآن سے تر رہتی، اللہ تبارک وتعالی حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو نور سے بھر دیں؛ آمین۔

ہجری سال کا آغاز اور اس کی اہمیت

مولانا محمد یوسف خان کشمیری

اللہ رب العزت نے جہاں ہمیں اپنی زندگی، کاروبار، ادارے اور انسانوں کے درمیان زندہ رہنے کے جو اصول سکھائے ان اصولوں میں اللہ رب العزت نے انسان کو اوقات کی تقسیم بھی سکھائی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ دو چیزیں اللہ نے ہمیں عطا کیئے جن کے ذریعے انسان اپنے وقت کی پیمائش کرے گا۔

چاند اور سورج دونوں حساب کا ذریعہ ہیں (الرحمٰن)

کیلنڈر میں ایک سال کے اندر بارہ مہینوں کی تقسیم بھی اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمائی ہے۔

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ہے (التوبہ 13:9)

اور پھر فرمایا:

کہ اس میں چار حرمت والے مہینے ہیں (التوبہ 13:9) جب آسمان وزمین کی پیدائش ہوئی تھی اس وقت اللہ نے مقرر کر دیا تھا۔

ایک جگہ فرمایا:

یہ لوگ آپ ﷺ سے حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کون سے چار مہینے ہوتے ہیں؟ تو آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا قتل وقتال کرنا حرام ہے۔ (البقرہ 217:2)

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کی کہ وہ چار مہینے رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں۔ اب یہ جو ہمارے ہاں ہجری کیلنڈر ہے اس کا حساب چاند کے ساتھ ہے اس لئے اس کو قمری کیلنڈر بھی کہتے ہیں۔ اس وقت کے حکمران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر ایک کمیٹی بنائی گئی جس پر اس کیلنڈر کو اسلامی تاریخ کا حصہ بنا دیا گیا اور یہ کیلنڈر نبی ﷺ کی ہجرت سے شروع ہوتا ہے۔

آپ کو حیرت ہوگی نبی ﷺ جس سال دنیا میں تشریف لائے اس وقت دنیا (کے مختلف علاقوں) میں 12 کیلنڈر چلتے تھے، مشہور مصنف اور سیرت نگار قاضی سید سلیمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین میں ایک صفحہ ہے، اس صفحہ میں ایک گول دائرہ بنا کر اس دور کے 12 کیلنڈروں سے نبی ﷺ کی تاریخ پیدائش نکال کے بتائی ہے۔

اس وقت ابرہہ یمن کا بادشاہ تھا اس نے وہاں بڑا شاندار ہیرے جواہرات لگوا کر مندر بنوایا۔ اس نے کہا یہ کعبہ کو ختم کرو میرے پاس آیا کرو دمیلہ لگایا کرو۔ وہ با قاعدہ ہاتھیوں پر اپنی منجنیقیں اس دور کی توپیں غلیل کی طرح بڑے بڑے پتھر ہاتھیوں پر رکھ کر مارتے تھے اور عمارتوں کو منہدم کرتے تھے۔ وہ خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا تھا۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھیوں والے کے ساتھ کیا سلوک کیا (الفیل :11:5)

اللہ نے اس پر کنکریاں برسائیں اور وہ ختم ہوا، تو جس سال وہ ہاتھیوں والا واقعہ پیش آیا، اس سال ایک نیا کیلنڈر شروع ہو گیا تھا، عام الفیل، ہاتھیوں کا کیلنڈر۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ شمسی سال اور یہ قمری سال پہلے سے چلے آ رہے تھے حضرت عمر کے دور تک مختلف کیلنڈر چلتے آ رہے تھے۔ نبی ﷺ کی پیدائش کے بعد سیرت نگار اس طرح لکھتے ہیں سن ولادت نبوی 1 میں یہ ہوا، پھر نبی ﷺ کو نبوت ملی چالیس سال کی عمر میں وہاں سے سن نبوی شروع ہوا، ایک ہے سن ولادت نبوی اور ایک ہے سن نبوی۔

پھر نبوت کے 13 سال بعد یعنی 53 سال کی عمر میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے اس سے ہجری کیلنڈر شروع ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو استعمال کرتے تھے۔

اب اس کے بعد سیرت نگار ہجری کیلنڈر فلاں سن 1 ہجری میں یہ ہوا 2 ہجری میں یہ ہوا، 3 ہجری پھر ہجری کیلنڈر شروع ہو گیا۔

نبی ﷺ کا وصال ربیع الاول سن 11 ہجری میں ہوا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت میں پھر مشورہ ہوا کہ مسلمانوں کا ایک کیلنڈر ہونا چاہیے جس میں ایک حکومت چلے تا کہ کسی بھی قسم کا اختلاف یا احکامات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہجری کیلنڈر فائنل کیا جائے

جبکہ حضرت علی المرتضی نے مشورہ دیا کہ اس کیلنڈر کا آغاز محرم سے کیا جائے، چنانچہ محرم اس وقت پہلا مہینہ بن گیا وہاں سے پھر اب تک ہجری کیلنڈر رہی ہے۔

اور اسلامی تعلیمات کے اندر الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسبان دونوں پر عمل ہوتا ہے بعض حضرات کہتے ہیں الشَّمْسُ وَالْقَمَر بحسبان کہ سورج اور چاند دونوں حساب کا ذریعہ ہیں تو آپ چاند کے سال کا کیوں اعتبار کرتے ہیں سورج کا کیوں نہیں؟ وہ بھی تو اللہ نے پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو عیسوی سال ہے اس کا تعلق سورج کے ساتھ ہے اور اس کو کوئی غیر اسلامی یا غیر شرعی نہیں کہیں گے یہ بھی اسلام اور قرآن کے مطابق ہیں۔

نبی ﷺ جب پیدا ہوئے اس وقت 571 عیسوی اور اپریل کا مہینہ تھا اس وقت یہ کیلنڈر چل رہا تھا یہ حضرت

عیسی کی پیدائش سے شروع ہوا۔

اب وہ سوال درمیان میں ہے کہ اسلامی عبادات کا تعلق چاند کے ساتھ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب ذہن میں رکھنا چاہیے اسلامی عبادات کا تعلق چاند کے ساتھ بھی ہے سورج کے ساتھ بھی ہے کیلنڈر کے اور وقت کے حساب سے کیسے ہمیں زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا (ہجری سال) کے اعتبار سے یہ شرعی حکم ہے۔

یہ لوگ آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں (البقرہ 89:2)

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کہہ دیجئے لوگوں کے لئے یہ وقت مقرر کرنے کا ذریعہ ہیں اور حج کے لئے (البقرہ:189)

چنانچہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہجری یعنی چاند کے حساب سے زکوۃ ادا کی جائے۔

اگر کوئی صاحب جنوری فروری اور مارچ اپریل اور یہ اگست کے مہینے کے حساب سے زکوۃ ادا کرتے ہیں ان کی زکوۃ ادا ہو جائے گی فکر نہ کریں لیکن بیچ میں ایک چھوٹی سی بات ہے، یہ ذہن میں رکھ لیجئے گا جو صاحب بھی اگست جنوری فروری کے حساب سے زکوۃ ادا کرتے رہے ہیں اب تک ان کی زکوۃ ادا ہو گئی بالکل گھبرانا نہیں کوئی فکر نہ کریں لیکن ایک فکر کیجئے گا اور وہ یہ کہ قمری سال شمسی سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے، لہذا 36 سال کے بعد 360 دن کا فرق پڑ جائے گا۔ تو 36 سال کے بعد 1 سال کی زکوۃ اور دینی پڑے گی ان صاحب کو جو جنوری فروری کے حساب سے زکوۃ دیتے ہیں اس میں تمام علماء کی یہی رائے ہے آپ حساب کریں گے تو بالکل 100 فیصد آئے گا۔

اس لئے آسان طریقہ ہے کہ بعض لوگ محرم میں زکوۃ ادا کر دیتے ہیں، بعض رمضان، بعض شوال اور بعض ربیع الاول مقرر کر لیتے ہیں وہ زیادہ بہتر ہے تا کہ 36 سال بعد ایک اور سال کی زکوۃ کا حساب نہ کرنا پڑے۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے ہم پر کہ رمضان کا تعلق چاند کے مہینہ کے ساتھ رکھا، وہ سردیوں میں آتا ہے تو بھی گرمیوں میں بھی بہار میں تو کبھی خزاں میں، آپ کی نوجوانی میں گرمیوں میں آیا کوئی بات نہیں بڑھاپے میں سردیوں میں آئے گا انشاء اللہ اور اگر یہ جنوری فروری کے حساب سے ہوتا رمضان تو پھر ساری دنیا کے لئے یا گرمی میں ہوتا یا سردی میں ہوتا سارے مشکل میں پڑے ہوئے ہوتے، یہ اللہ کا نظام کہ رمضان سارے سال میں گھومتا رہتا ہے تو زکوۃ، روزے، حج اور عورت عدت گزارے گی چاند کے ساتھ یہ سب باتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھائیں۔

ایک عبادت اللہ نے ایسی خود مقرر کی فرض عبادت کہ جس کی ٹائمنگ سورج کے ساتھ ہے۔ صبح صادق کے وقت فجر کی نماز کا وقت شروع ہوگا جب سورج 18 ڈگری eighteen digree نیچے ہوتا ہے تو صرف سورج کی روشنی نظر آتی ہے، سورج کا جسم نظر نہیں آتا تو ہم اس کو صبح صادق کہتے ہیں، پھر وہ جب اس کی گول ٹکیا طلوع ہوتی ہے تو اس کو ہم کہتے ہیں سورج طلوع ہو گیا اب فجر کا وقت ختم ہو گیا۔ زوال جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو اور مغرب کی

طرف جانے لگے اور انسان کا سایہ (پاکستان میں) مشرق کی طرف جانے لگے بس ذرا سا سایہ ہو جائے تو اس کو زوال کہتے ہیں اب ظہر کا وقت شروع ہو گیا تب تک رہے گا جب ایک انسان کا سایہ دو انسانوں کے برابر نہ ہو جائے یعنی ایک فٹ چیز کا سایہ دو فٹ کے برابر دگنا (یعنی دو شل سایہ) ہو جائے۔ عصر کا وقت شروع ہو گیا ظہر کا وقت ختم ہو گیا اب یہ رہے گا سورج غروب ہونے سے پہلے تک یعنی دھوپ کے پیلا ہونے تک۔ مغرب کا وقت تب شروع ہو گا جب سورج غروب ہو جائے گول ٹکیا نظروں سے غائب ہو جائے اور مغرب کا وقت کب ختم ہو گا جب سورج کے غروب ہونے کے بعد وہ سرخی اور سفیدی مغرب کی جانب بالکل ختم ہو جائے اندھیرا چھا جائے۔ مغرب کا وقت ختم ہو گیا عشاء کا وقت شروع ہو گیا عشاء کا وقت کب ختم ہو گا جب صبح صادق ہو گی، سورج 18 ڈگری پہ ہو گا۔

آپ نے غور کیا کہ اللہ نے پانچوں نمازوں کے آغاز اور انتہا کا وقت سورج کے ساتھ رکھا۔ اچھی طرح اطمینان رکھیئے گا کہ سورج اور چاند کے چلانے میں کسی سائنسدان کا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ اللہ کا نظام ہے اور آپ کو حیرت ہو گی اور جب آپ دونوں کو گہرائی سے مطالعہ کریں گے اور علم الاوقات austronomy کو پڑھیں گے جن حضرات نے مطالعہ فرمایا بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ چاند کا نظام سب سے سادہ اور آسان فہم ہے جس سے تاریخیں آسانی سے دنیا کے ہر بندے کو سمجھ میں آجائیں وہ چاند کا حساب ہے اور چاند کے حساب میں نہ کسی دوربین کی ضرورت ہے نہ ہی کسی ڈائری، جنتری یا کسی کیلنڈر کی ضرورت ہے۔ آپ چاند دیکھو روزہ رکھ لو چاند دیکھو افطار کرو ممکن ہے آپ کے ذہن میں آئے یہ تو مولانا مصیبت بنائی ہوئی ہے رات 12 بجے اعلان کرتے ہیں چاند نظر آرہا ہے یہ تو ہمارے لیے مشکل کھڑی کی ہوتی ہے؟

چنانچہ ایک صاحب بہت بڑے عہدے پر رہے، ماشاء اللہ انہوں نے کہا ان مولویوں کو پتہ نہیں ہے چاند کب نظر آئے گا کب نظر نہیں آئے گا میں ان کو سائنسی اعتبار سے چار سال کا کیلنڈر بنا کے دے دوں گا۔

جس دن انہوں نے اعلان کیا اس دن جامعہ اشرفیہ کے ایک فاضل طالب علم نے 100 سال کا کیلنڈر بنا دیا تھا، یہ نہیں کہ اندازہ فلاں دن چاند کی کون سی تاریخ ہو گی؟ اس تاریخ کو دن کیا ہو گا؟ شمسی تاریخ کیا ہو گی؟ ہر ماہ کے اعتبار سے 200 سال کا تیار اردو بازار میں مل رہا ہے۔ ان اعلان کرنے والی اہم شخصیت کو وہ کیلنڈر بھجوا دیا گیا، حضرت اس کا مطالعہ کر لیجئے، اس کے بعد سے آج تک انہوں نے وہ چار سال کا کیلنڈر بنا کے نہیں دیا اس لئے کہ وہ 100 سال کا کیلنڈر ایک طالب علم بنا کے دے چکا۔

جامعہ اشرفیہ میں علماء کو یہ فن پڑھایا جاتا ہے۔ اس فن کے لکھنے والے حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازیؒ تھے جو کہ ترمذی بھی پڑھاتے تھے ان کی آسٹرانومی پر دو کتابیں فلکیات صغری اور فلکیات کبری ہیں، اس وقت پنجاب

یونیورسٹی میں سپیس سائنس میں جو M.SC کروائی جاتی ہے، اس کے نصاب میں یہ دو کتابیں شامل نصاب ہیں۔

اس وقت علماء کی پوری ٹیم موجود ہے اور سب سے بڑی درسگاہ انہوں نے کراچی میں بنائی ہوئی ہے جو کہ پندرہ دن پہلے بتا دیتی ہے اور اخبارات میں بھی آجاتا ہے کہ کسی تاریخ کو ملک میں چاند نظر آئے گا لیکن یہ سب کیلنڈروں میں طے شدہ ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالی نے آیت 163 کے اندر جہاں رمضان کے احکامات بتائے ہیں وہاں یہ حکم دیا ہے کہ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ)

جو شخص تم میں سے اس مہینے کا مشاہدہ کرلے گا آنکھوں سے دیکھ لے گا وہ روزہ رکھے گا۔ کیلنڈر نہیں چاہیے، دوربین نہیں چاہیے، رویت ہلال کمیٹی نہیں چاہیے یہ انسان آنکھوں سے دیکھے روزہ رکھ لے یہ انسان آنکھوں سے دیکھے روزہ افطار کرلے جب کیلنڈر جو ہیں وہ یہ بتاتے ہیں کہ چاند موجود ہے اب جو حضرات تھوڑا سا مطالعہ رکھتے ہیں وہ باتوں کو سمجھ جائیں گے کہ چاند کی موجودگی یہ شریعت میں معتبر نہیں ہے رویت (دیکھنا) معتبر ہے کیلنڈر اور یہ ڈائریاں اور یہ فن اور یہ سائنس ہمیں چاند کی موجودگی بتاتی ہیں رویت نہیں بتائیں۔ بہت ٹیکنیکل بات تھی لیکن میں نے کوشش کی آسان الفاظ میں منتقل کردوں دین بہت آسان ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی زندگی کے اندر اس قمری اور شمسی کیلنڈر کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی عبادات کو اس کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمادے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(بقیہ: مولانا اللہ وسایا) اسلام کے شعائر اور ان کے جو نام ہیں ان کا جو تخصص ہے وہ استعمال نہ کریں، اسلام کے ساتھ اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے آپ کو مکس اپ نہ کریں۔ جس طرح ہندو ہیں، سکھ ہیں مسیحی ہیں ان کا الگ تشخص ہے، اسی طرح ان قادیانیوں کا بھی الگ تشخص ہو تو ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ اسلام کا نام لیں گے، اسلام کا لبادہ اوڑھیں گے تو پھر تنازعہ پیدا ہوگا اور ایک بدامنی ہوگی۔ یہی موقف ہے جو ہمارے علماء کرام نے بھی اور ہمارے ماہرین قانون طیب قریشی صاحب ہیں اور دوسرے حضرات بھی ہیں سب لوگوں نے یہی کہا کہ دستور اور قانون کے تحت قادیانیوں کی یہی پوزیشن ہے۔ تو میں نے کہا ٹھیک ہے میں نے اس پوزیشن کو ایکسیپٹ (قبول) کرلیا۔ جو ان کی رائے ہے، وہی میری رائے ہے۔ میں ان کی رائے کے ساتھ ہوں۔ علماء کے ساتھ ہوں۔ مسلمان عوام کے ساتھ ہوں۔ جمہور کے ساتھ ہوں۔ ان سے مختلف نہیں ہوں۔ یہ بات واضح ہوجانی چاہئے۔..... الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں، مسلمانوں کی زندگی جیتے ہیں، اسلام کی موت ہمیں نصیب ہو۔ ہم اپنی پوری ملت اسلامیہ کے ساتھ اور مسلمان عوام کے ساتھ کھڑے ہیں اور علماء کرام کے ساتھ کھڑے ہیں۔

قادیانیوں کی وکالت پر جناب مجیب الرحمن شامی سے چند گزارشات

حضرت مولانا اللہ وسایا، ملتان

نامور، کہنہ مشق، صحافی جناب مجیب الرحمن شامی نے دنیا نیوز کے پروگرام ''نقطہ نظر'' میں ۲۴ رجون ۲۰۲۴ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: (۱) ''ایک اقلیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کا نام ہی نہیں لے سکتے جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور ہم انہیں قادیانی کہتے ہیں۔ (۲) ان کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ (۳) آپ کو قربانی نہیں کرنے دیں گے، آپ کو نماز نہیں پڑھنے دیں گے، آپ کے بکرے جو ہیں ہم اٹھا کے لے جائیں گے، آپ نے ۵۰ ہزار کا خریدا ہے، ہم اسے ۲۵ ہزار کا واپس لے لیں گے۔ یہ کیا تماشا ہے؟ (۴) اور آپ کو عبادت گاہ نہیں بنانے دیں گے۔ او بھائی! آپ بیٹھیں۔ ہمارے حافظ نعیم الرحمن صاحب، حضرت مفتی فضل الرحمن صاحب اور منیب الرحمن صاحب اور تقی عثمانی صاحب یہ بیٹھیں۔ (۵) خدا خوفی کریں۔ (۶) ان کی بھی حدود و قیود طے کر دیں۔ اس طرح نہ کریں کہ یہ پاکستان کو ہندوستان بنا دیں۔ ہندو یاتروں والے یہاں دندناتے پھریں اور آپ چین سے بیٹھے رہیں۔ ہر شخص جو پاکستان کا شہری ہے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو، کسی علاقے کا رہنے والا ہو اس کی جان اس کے مال، اس کی آبرو کی حفاظت حکومت پاکستان کی اور ریاست پاکستان کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ (۷) یہ جو قادیانی حضرات ہیں ان کے ساتھ بھی بیٹھیں۔ ان کی باتیں سنیں۔ ان کو آپ نے دستوری طور پر ایک اقلیت قرار دیا ہے، اور غیر مسلم قرار دیا ہے ان کی بات سنیں ان کے اپنے شہری حقوق ہیں۔ ان کا احترام کریں۔ تو اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم یہ خوف کی چادر جو ہے اس کو اتار پھینکیں اور جو بات حقیقت ہے اس کو بیان کریں اور اس سے نہ ڈریں، نہ ہجوم سے ڈریں اور نہ بے لگام مذہبی رہنماؤں سے ڈریں۔''

دنیا نیوز چینل پر جس مسلمان نے جناب شامی کا مذکورہ بالا بیان سنا وہ ششدر رہ گیا کہ اتنی تو تو، میں میں، جارحانہ گفتگو، اشتعال انگیز زبان، توہین آمیز طرز تخاطب، اس عمر میں جناب شامی صاحب کی شایان شان

نہیں تھا۔ چنانچہ اس پر بعض حضرات کا سوشل میڈیا پر شدید ردعمل آیا۔ بعض حضرات نے اسے قادیانیوں کی وکالت پر محمول کیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ قادیانی لابنگ کے اثرات اس گفتگو کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتے ہیں۔ تحریک لبیک کے بعض حضرات کے شامی صاحب کی اس گفتگو پر ریمارکس تو جواب آں غزل قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ جناب شامی صاحب نے ان نوجوانوں کی گفتگو کو ''بدتمیزی'' سے تعبیر کیا۔ جناب شامی صاحب کی یہ گفتگو جس میں ''بے لگام مذہبی رہنماؤں'' کے الفاظ استعمال کئے۔ ان کے متعلق نرم سے نرم الفاظ میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ الفاظ جس لابی نے ان کے منہ میں ڈالے ہیں یہ بلاوجہ نہیں۔ ورنہ اس عمر میں ان کے اس طرز تخاطب کو آبرومندانہ کہنا بہت مشکل ہورہا ہے۔ جناب شامی صاحب کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر کوئی چاہتا ہے میرا احترام سے نام لیا جائے تو اس کا بھی فرض بنتا ہے کہ خود بھی احترام کا دامن نہ چھوڑے۔ ورنہ یہی ہوگا جس کا آپ نے سامنا کیا۔ ؎

گنبد کی آواز ہے، جیسی کہو ویسی سنو!

جماعت اسلامی کے امیر محترم حافظ نعیم الرحمن، جمعیت علماء اسلام کے امیر محترم مولانا فضل الرحمن، تنظیم المدارس العربیہ کے سربراہ مولانا مفتی منیب الرحمن، وفاق المدارس العربیہ کے سربراہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ایسے گرامی قدر اور ذی وقار جید علماء کرام کے متعلق شامی صاحب عامیانہ گفتگو کو جتنا بھی نرم الفاظ میں بیان کریں تب بھی سوقیانہ انداز تخاطب باعث تعجب ہی نہیں باعث ندامت بھی ہے۔

حیرانگی اس امر پر ہے کہ انہوں نے اپنے ذوق جنوں کی تسکین یا قادیانیوں کی وکالت میں جو آتش بیانی کی، لگتا ہے کہ شامی صاحب نے قادیانیوں کی وکالت میں حقائق کو جس بری طرح مسخ کیا ہے۔ اس کے پس منظر میں کیا کیا عوامل کام کررہے تھے۔ ذرا سوچئے! ہم نے اس پر نمبر لگادیئے ہیں قارئین نمبروار ان کا جائزہ لیں:

۱..... ''ایک اقلیت تو ایسی ہے کہ اس کا نام ہی نہیں لے سکتے جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور ہم انہیں قادیانی کہتے ہیں۔''

جناب شامی صاحب نے ایک ہی جملہ کے اول اور آخر میں دو متضاد باتیں فرمادیں کہ ان کا نام نہیں لے سکتے اور پھر اس جملہ کے آخر میں ان کا نام احمدی اور قادیانی ذکر کردیا۔ اس تضاد بیانی کو کیا نام دیا جائے؟ اور اس میں انہوں نے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کردیا کہ قادیانی صرف خود کو احمدی نہیں کہتے بلکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کو مسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو کافر گردانتے ہیں۔ اگر آپ نے سچ کہنا تھا تو پورا سچ بولتے کہ عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ تمام مذاہب کے رہنما اور پیروکار حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی امت اور آپ کے پیروکاروں کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے مسلمان ہیں۔ ایک قادیانی اقلیت ایسی ظالم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے مسلمانوں کو کافر اور مرزا قادیانی کے ماننے والے کافروں کو مسلمان کہتی ہے۔

۲..... آپ نے فرمایا کہ ''ان کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔'' تمام تر احترام کے باوجود جناب شامی صاحب کا یہ کہنا سراسر قادیانی غلط بیانی کا شاہکار ہے۔ پاکستان میں قادیانی کاروبار کر رہے ہیں ان کی ملیں ہیں، ان کی فیکٹریاں، دکانیں، مکانات، جائیدادیں ملازمتیں ہیں ان پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس کے علی الرغم باہر کے ویزے لینے کے لئے قادیانی جماعت کی قیادت دروغ گوئی کے ذریعہ سے پاکستان کو بدنام کرتی ہے۔ مغربی اداروں (اقوام متحدہ، آئی ایم ایف) کے سامنے اپنی نام نہاد مظلومیت کی فرضی داستانیں وضع کر کے پاکستان کے لئے مشکلات کھڑی کرتے ہیں ان کی اس پاکستان دشمنی کو سپورٹ کرتے ہوئے شامی صاحب کا کہنا کہ ''ان کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے'' پاکستان کو بدنام کرنے میں قادیانیوں کے الزام کو حقیقت کے روپ میں پیش کرنے کی جناب مجیب الرحمن شامی سے توقع نہ تھی۔ اس پر سوائے اظہار افسوس کے اور کیا کہا جائے؟

۳..... آپ کا یہ کہنا کہ: ''قربانی نہیں کرنے دیں گے، نماز نہیں پڑھنے دیں گے، بکرے اٹھالے جائیں گے، ۵۰ ہزار کا خریدا ہے پچیس ہزار کا واپس لیں گے۔''

جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید کی رو سے قربانی شعائر اسلام میں سے ہے۔ قادیانی اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے کے لئے قانوناً اسلامی شعائر استعمال نہیں کر سکتے۔ کیا آپ ان کو لائسنس مہیا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو کافر قرار دیں اور اسلامی شعائر کو استعمال کر کے اپنے کفر کو اسلام ثابت کریں اور ایک اسلامی ملک میں کفر و اسلام کے امتیاز کو پائمال کریں۔ قادیانیت اور اسلام میں رات اور دن، اندھیرے اور روشنی، زمین اور آسمان سے زیادہ تفاوت ہے۔ قادیانی اس تفاوت کو مٹانے کے درپے ہیں۔ اس امر میں قادیانی موقف کی حمایت کا کیا جواز ہے؟ کاش اس پر غور کیا ہوتا۔

۴..... آپ کا یہ کہنا کہ: ''بکرے اٹھا کر لے جائیں گے'' یہ محض قادیانیوں کا غلط پروپیگنڈہ ہے۔ جان بوجھ کر انہوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے اور خود کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے مرزا قادیانی کی کذب بیانی کے ریکارڈ کو بھی مات کیا ہوا ہے۔ کہیں پر ایسے ہوا؟ اس کی کوئی مثال؟

یہ تمام تر قادیانی ملعونانہ پروپیگنڈہ ہے۔ جہاں کہیں اس قسم کی داستان وضع کی گئی، چیلنج سے کہا جا سکتا ہے

کہ وہاں قادیانیوں کی اپنی شرارت، کذب بیانی، مکروفریب اور دھوکہ دہی کا رقص آپ کو نظر آئے گا۔ قادیانی خود ہی سازش کرتے ہیں، خود ہی اپنے کارندوں کے ذریعہ ماحول بنا کر اپنی فرضی مظلومیت سے پاکستان کو بدنام اور خود کو باہر کے ویزوں سے مالا مال کرتے ہیں۔ قادیانی پروپیگنڈہ اور جناب شامی صاحب کا اس کی تائید کرنا یہ وہ شاخسانہ ہے کہ اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

۵..... آپ کا فرمانا: ''آپ کو عبادت گاہیں نہیں بنانے دیں گے'' جواباً عرض ہے کہ قادیانی خود کو غیر مسلم تسلیم کریں، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کے مطابق اپنی عبادت گاہ کو مسجد کی طرز پر نہ بنائیں، اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہ کہیں۔ لیکن قادیانی خود کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے، اپنی عبادت گاہ کو مسجد کی طرز و ہیئت اور مسجد کا نام دیتے ہیں، جو سراسر قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اور شامی صاحب ان کے اس غیر اسلامی، غیر قانونی طرز عمل پر ان کو روکنے کی بجائے مسلمانوں پر چڑھائی شروع کر دیں تو سوچنے کی بات ہے کہ شامی صاحب کفر کی حمایت کر رہے ہیں یا اسلام و ملک کی خدمت کر رہے ہیں؟

دنیا بھر میں کوئی مسیحی اپنے چرچ کو مسجد اور کوئی مسلمان اپنی مسجد کو چرچ نہیں کہتا۔ کہیں کوئی ایسا واقعہ نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ نہ دور دور تک اس کا کوئی خدشہ ہے۔ رہے قادیانی تو وہ اپنے کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کہیں، اپنی عبادت گاہ کو مسجد کی ہیئت وطرز پر بنائیں اور اس کو مسجد کا نام دیں جو پاکستان کے قانون، سپریم کورٹ کے فیصلوں کے بھی منافی ہے اور اس پر جناب شامی صاحب آپے سے باہر ہو کر فرمائیں کہ ان کو کیوں عبادت گاہیں نہیں بنانے دیتے؟

کراچی کے صرف صدر کے علاقہ میں چھ چرچ ہیں۔ ایک ایک چرچ کئی کئی کنالوں کے رقبہ پر مشتمل ہے۔ کہیں کسی نے اعتراض کیا؟ وہ تمام جگہ چرچ کے نام پر ہے۔ قادیانی تمام عبادت گاہوں کی زمین مساجد کے نام پر ہے یا قادیانیوں کے گھر اور سکنی رقبہ ہے۔ اپنے گھر کو یا مسجد کے نام پر جگہ کو اپنی عبادت گاہ قرار دیتے ہیں، جس سے اشتعال پھیلتا ہے۔ خود کو غیر مسلم تسلیم کریں۔ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے علاوہ اور کسی نام سے رجسٹرڈ کرائیں، کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اگر ان کی طرز تعمیر مسجد کی طرز و ہیئت پر ہو، نقشہ منظور کرا کر تعمیر نہ کرائیں اور شرارت سے غیر قانونی حرکت کریں، مسجد کی جگہ کے نام سے الاٹ شدہ قطعہ پر یا اپنے گھر کے سکنی رقبہ پر عبادت گاہ تعمیر کریں۔ جو آئین، قانون، اخلاق اور انتظامی لحاظ سے یکسر منافی اور اس پر شامی صاحب کا پروپیگنڈہ اور وکالت، کیا یہ بلا وجہ ہے؟ اس پر اسلامیان وطن غور فرمائیں۔

۶..... آپ کا فرمانا: ''خدا خوفی کریں۔''

آپ سے بھی یہی درخواست ہے کہ کفر بواح کی ناجائز وکالت کر کے پاکستان کو بدنام کرتے ہوئے ''خدا خوفی کریں۔''

۷..... آپ کا فرمانا: ''ان کی حدود وقیود طے کریں'' قادیانیوں کی حدود وقیود قانون نے طے کردی ہیں کہ وہ غیر مسلم ہیں قادیانی خود کو ان حدود وقیود کا پابند بنائیں۔ آئین وقانون کو تسلیم کریں، کہیں ان سے زیادتی ہورہی ہے تو وہ عدالت جائیں۔ جن سے زیادتی ہو وہ عدالت جاتا ہے، وہ جائیں عدالت۔ مسلمانوں اور قادیانیوں کا موقف سن کر فیصلہ عدالتیں دے چکی ہیں۔ ان پر عمل کرنا ایک وفادار محب وطن شہری کا فرض ہے۔ اس سے ان کو کوئی شکایت ہے تو خود کو غیر مسلم رجسٹرڈ کرائیں۔ ہندو، سکھ، مسیحی، بدھ مت وغیرہ مذاہب سے کسی کو کوئی تنازعہ نہیں۔ ان کی عبادت، ان کے عقائد وہ سب پر واضح ہیں۔ قادیانیوں کا مسلمانوں کے شعائر پر قبضہ اور وہ بھی غاصبانہ، اس لئے کہ ان شعائر پر چودہ سو سال سے اسلام کی ملکیت کا ٹھپہ، امت مسلمہ کی شناخت کی چھاپ لگی ہوئی ہے قادیانی مسلمانوں کی ملکیت اور شناخت مجروح کر کے خود ان کے مالک بن بیٹھیں اور مسلمانوں کو بے دخل قرار دے دیں اور جناب مجیب الرحمن شامی ان کے اس طرز عمل کی وکالت پر غم وغصہ اور جلال وجاہ کی آتش بیانی کا منظر قائم کریں۔ ہم مسکینوں کو چیلنج کرنے کی بجائے بتایا جائے کہ آخر اس کا کوئی جواز ہے؟

۸..... آپ کا فرمانا کہ: ''یہ جو قادیانی حضرات ہیں ان کے ساتھ بیٹھیں، ان کی باتیں سنیں، دستوری طور پر ان کو ایک اقلیت قرار دیا ہے۔ ان کے حقوق کا احترام کریں۔''

محترمی! آپ کے جذبات یا مفادات یا آپ کو جو تیاری کرائی گئی اس کا اظہار تو آپ کو مبارک ہو، لیکن واقعات دوسری کہانی بیان کرتے ہیں۔

۱..... قادیانیوں کا قائداعظم کے جنازہ پر موجود ہونے کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ نہ کھڑا ہونا۔

۲..... پاکستان کو اکھنڈ بھارت بنانے کے بھاشن دینا۔

۳..... گورداسپور کو ہندوستان کے سپرد کر کے اس کو کشمیر کے لئے راستہ دینا۔

۴..... قومی اسمبلی میں ان کا ہفتوں موقف سننے کے بعد اسمبلی کا متفقہ فیصلہ کرنا۔

۵..... درجنوں بار، سپریم کورٹ کا ان کے موقف کو سننا اور ان فیصلوں پر مسلمانوں کا اظہار اطمینان کرنا۔

۶..... قادیانیوں کا قومی اسمبلی اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کو پاؤں تلے حقارت سے روندنا۔

۷..... مسلمانوں کا جنازہ نہ پڑھنا۔

۸..... مسلمانوں سے رشتہ نہ کرنا۔

۹..... مسلمانوں کو بیک جنبش قلم کافر قرار دینا۔

۱۰..... دنیا بھر میں پاکستان کو بدنام کرنا اور پاکستان میں سب سے زیادہ سرکاری رعایات سمیٹنا اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے؟

یہ سب کچھ بلا وجہ نہیں

آج سے مہینوں پہلے ایک صدا کا اٹھنا کہ:

۱..... قانون میں ابہام ہے۔

۲..... قادیانیوں کے متعلق سپریم کورٹ جانا چاہئے۔

۳..... سپریم کورٹ سے ایک کیس کا متنازعہ فیصلہ آنا۔

۴..... اس کی نظر ثانی کی سماعت کا مکمل ہو جانا اور فیصلہ میں تاخیر کا ہونا۔

۵..... وزیر اعظم کی طرف سے چاروں صوبائی ہوم سیکرٹریز حضرات کو قادیانیوں کی اچانک حفاظت کا حکم نامہ جاری کرنا۔

۶..... جناب سبزواری صاحب کا سینیٹ میں قادیانی موقف کی ترجمانی کرنا۔

۷..... جیو نیوز پر پروگرام ''آج شاہ زیب خانزادہ کے ساتھ'' میں قادیانیوں کی فرضی مظلومیت کا واویلا کرنا۔

۸..... سندھ حکومت کا قادیانیوں کے متعلق آئی، جی کو حکم کرنا۔

۹..... امریکہ کا قادیانیوں کی حمایت میں بولنا۔

۱۰..... وفاقی وزارت داخلہ کا مبینہ طور پر عقیدہ ختم نبوت کی خدمات سرانجام دینے والوں کی فہرستیں تیار کرانے کا حکم جاری کرنا۔

۱۱..... غامدی ذریت کا قادیانی حمایت میں ہلکان ہونا۔

۱۲..... ہمارے بہت قابل احترام رہنما کا فرمانا کہ: ''قادیانیوں کے شہری حقوق کے بارہ میں دن بدن بڑھتی چلی جانے والی کنفیوژن کا باہمی مشاورت کے ساتھ کوئی متوازن حل نکالیں'' یہ بات وہ قابل احترام بزرگ فرما رہے ہیں جو پہلے خود بارہا فرما چکے ہیں کہ: ''قادیانی جب تک آئین میں مقرر کردہ اپنی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے وہ کسی رعایت یا حقوق کے مستحق نہیں۔ ان کی حیثیت آئین کے ایک باغی کی ہے۔ ان کو قانون کا پابند بنایا جائے۔ یہ حکومت کے ذمہ ہے۔''

قابل احترام رہنما کا یہ بیان وہ بیانیہ ہے جس پر تمام دینی قیادت جمع ہے۔ یہی موقف اس وفد نے جناب شامی صاحب کے سامنے رکھا جو ان سے ملنے کے لئے گیا تھا۔

۱۳..... جناب شامی صاحب کا دنیا نیوز چینل پر قادیانی موقف کی وکالت کرنا اور کونوں کھدروں سے قادیانیوں کی بے جا حمایت اور فرضی مظلومیت کی جعلی کہانیوں کی بھرمار یہ سب کچھ بلاوجہ نہیں؟

قادیانی عوام سے درخواست

قادیانی جماعت اپنی ان شرارتوں سے ایک ایسی فضا بنا رہی ہے کہ دھول بیٹھنے کے بعد پتہ چلے گا کہ جس پر وہ سوار تھے وہ گدھا تھا یا گھوڑا؟

اللہ تعالیٰ سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔ امریکی لابی سی پیک کی دشمنی میں ہمارے ملک میں جو حالات بنا رہی ہے ہمارا ملک ان کا متحمل نہیں۔ ہاں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں اگر ہمیں کہیں زنگ لگ گیا ہے اور قدرت اسے دور کرنا چاہتی ہے تو زہے نصیب!

تحریکیں کسی کے کہنے پر نہیں چلتیں، تحریک کے حالات مسلسل واقعات کے ردعمل میں بنتے ہیں پھر کوئی حادثہ تحریک کا باعث بن جاتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ماضی میں قادیانی حماقتوں کے نتیجہ میں حالات نے تحریک کا رخ اختیار کیا۔ ظفر اللہ قادیانی نے قادیانیت کو اسلام اور اسلام کو کفر کہا تو حالات نے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا روپ اختیار کیا۔ قادیانیوں نے چناب نگر میں نشتر کالج ملتان کے مسلمان طلباء کو مارا پیٹا، زخمی کیا تو ۱۹۷۴ء کی تحریک نے جنم لیا۔ اب قادیانیوں کی لابنگ، امریکہ، آئی ایم ایف کے ذریعہ پاکستان کے عوام کو مشتعل کرنا چاہتی ہے تو قادیانی عوام سوچیں کہ ان کے راستے میں پاکستان دشمنی کے کانٹے قادیانی قیادت کیوں بچھا رہی ہے؟

قادیانی خود بھی بچیں اور پاکستان کو بھی خوشحالی کے راستے پر چلنے دیں۔ اس میں سب کا بھلا ہے۔ رہی لیگ حکومت یا غامدی ذریت ان کو کچھ کہنے سے، نہ کہنا بہتر ہے۔

دس قادیانی عقائد

شامی صاحب سے گزارش ہے: آیئے! قادیانی حوالہ جات اور ان کے نتائج پر پہلے نظر ڈالتے ہیں:

۱..... ''حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان (مسلمانوں) سے اختلاف ہے۔'' (خطبہ جمعہ خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل، ج۱۹، نمبر ۱۳، مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

۲..... ''اس کے بعد حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے صاف حکم دیا کہ غیر احمدیوں کے ساتھ

ہمارے کوئی تعلقات ان کی غمی اور شادی کے معاملات میں نہ ہوں جب کہ ان کے غم میں ہم نے شامل ہی نہیں ہونا تو پھر جنازہ کیسا۔'' (اخبار الفضل قادیان ج ۳ نمبر ۱۲۰ مورخہ ۱۸ رجون ۱۹۱۴ء)

۳..... ''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔'' (تذکرہ ۷۰۶ طبع ۴)

۴..... ''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا و رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات ص ۲۷۵، ج ۳)

۵..... ''کل جو مسلمان حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

(آئینہ صداقت ص ۳۵ مصنفہ خلیفہ قادیان)

۶..... ''یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فروعی اختلاف ہے..... کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے: لانفرق بین احد من رسلہ لیکن حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔''

(نہج المصلی مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ص ۲۷۴، ۲۷۵ مولفہ محمد فضل خان قادیانی)

۷..... ''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا اور یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

(کلمۃ الفصل مصنفہ بشیر احمد قادیانی ص ۱۱۰)

۸..... ''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔'' (انوار خلافت ص ۹۰)

۹..... ''(میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے) فرمایا جس طرح عیسائی بچے کا جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا اگرچہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔''

(خلیفہ قادیان مندرجہ الفضل ج ۱۰، نمبر ۳۲، ص ۶ مورخہ ۲۳ راکتوبر ۱۹۲۲ء)

۱۰..... ''پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔'' (مرزا بشیر احمد پسر مرزا قادیانی کلمۃ الفصل ص ۱۵۸)

دس نتائج

ان قادیانی دس حوالہ جات سے یہ دس باتیں ثابت ہوئیں کہ:

۱..... قادیانیوں کے نزدیک اللہ تعالی کی ذات، حضور سرور کائنات علیہ السلام کی ذات، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوۃ میں مسلمانوں سے اختلاف ہے۔

۲..... قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں کی شادی، غمی، جنازہ، میں شرکت جائز نہیں۔

۳..... قادیانیوں کے نزدیک تمام مسلمان جو مرزا کو نبی نہیں مانتے سب نان مسلم ہیں۔

۴..... مرزا کو نہ ماننے والا جہنمی ہے۔

۵..... مرزا کو نہ ماننے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۶..... قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں سے اختلاف فروعی نہیں اصولی ہے۔

۷..... قادیانیوں کے نزدیک مرزا کا نہ ماننے والا صرف کافر نہیں بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۸..... قادیانیوں کے نزدیک مسلمانوں کو مسلمان نہ سمجھنا فرض ہے۔

۹..... مسلمانوں کا نماز جنازہ حتی کہ مسلمانوں کے بچوں کا بھی جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظفر اللہ قادیانی نے قائداعظم بانی پاکستان کا نماز جنازہ نہیں پڑھا تھا۔

۱۰..... مرزا قادیانی معاذ اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

ان قادیانی دس حوالہ جات سے دس نتائج برآمد ہوئے۔

ان کے ہوتے ہوئے قادیانیوں کی وکالت کرنا، شامی صاحب سے عقل، تدبر وفکر کی درخواست ہے۔

ان حوالہ جات سے شامی صاحب کو سمجھ جانا چاہئے کہ قادیانی آپ کو کیا سمجھتے ہیں اور آپ ان کے متعلق کیا وکالت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں؟ یہ بات واضح ہے کہ قادیانی مسلمانوں کی شناخت پر غاصبانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے باوجود شامی صاحب فرماتے ہیں کہ ''مسلمان خدا خوفی کریں۔''

شامی صاحب سے بصد ادب واحترام درخواست ہے کہ:

۱..... مسلمانوں کے نزدیک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے آخری نبی اور رسول ہیں قادیانیوں کے نزدیک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی بھی اللہ کا رسول اور نبی تھا۔

۲..... مسلمانوں کے نزدیک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھنے والے صحابہ

کرامؓ ہیں جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کے زمانہ میں اس کو قبول کرنے والے بھی صحابی ہیں۔

۳..... مسلمانوں کے نزدیک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اہل بیت ہے۔ جبکہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کا خاندان بھی اہل بیت ہے۔

۴..... مسلمانوں کے نزدیک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج امہات المؤمنین ہیں جبکہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کی بیوی بھی ام المؤمنین ہے۔

۵..... مسلمانوں کے نزدیک مدینہ منورہ میں جنت البقیع کا قبرستان مقدس ہے، قادیانیوں کے نزدیک قادیان کا بہشتی مقبرہ بھی مقدس ہے۔

۶..... مسلمانوں کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والا مسلمان نہیں۔ قادیانیوں کے نزدیک عالم اسلام کے کل مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں یہ سب مرزا قادیانی کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہیں۔

۷..... مسلمانوں کے نزدیک آخرت کی نجات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی تصدیق و اتباع میں منحصر ہے۔ جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی کو مانے بغیر آخرت کی نجات ممکن نہیں۔

۸..... مسلمانوں کے نزدیک مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ قابل احترام ہیں مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا محمود دوسرا قادیانی خلیفہ کہتا ہے کہ مکہ مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہوگیا ہے اب اسلام اور روحانیت مرزا قادیانی سے وابستہ ہے اور وہ برکات قادیان میں ہیں۔

۹..... مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے۔ جب کہ قادیانیوں کے نزدیک مرزا قادیانی پر بھی کلام اللہ نازل ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے۔

۱۰..... مسلمانوں کے نزدیک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشعل راہ ہے۔ جبکہ قادیانیوں کے نزدیک جو حدیث، مرزا قادیانی کے کلام کے خلاف ہے وہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لائق ہے۔

یہاں اپنی معروضات کو بند کرتے ہوئے شامی صاحب سے درخواست ہے کہ آپ کن کی وکالت پر نکلے ہیں؟ اس پر تنہائی میں غور فرمالیں تو آپ سمیت بہتوں کا بھلا ہوگا۔

قومی ڈائجسٹ کے قادیانیت نمبر کو فروخت کر کے آپ حج پر گئے تھے۔ایک بار اب بھی سوچ لیں ایمان،ضمیر اور خوف خدا کی شرط کے ساتھ کہ قادیانیوں کی اس وکالت کے بعد آپ رسول اللہ a کے مواجہہ شریف پر حاضری کا حوصلہ رکھتے ہیں؟

جناب مجیب الرحمن شامی صاحب کی وضاحت

۲۴ جون ۲۰۲۴ء کو دنیا نیوز چینل پر جناب مجیب الرحمن شامی صاحب کے ایک بیان سے تنازعہ پیدا ہوا۔متعدد حضرات علماء کرام نے ان سے رابطہ کیا۔بعض حضرات نے سوشل میڈیا پر اپنا تأثر دیا۔مجلس تحفظ ختم نبوت نے تحریری طور پر اپنا مؤقف ان کو بھیجوایا۔جو اسی شمارہ میں بطور اداریہ کے شامل اشاعت ہے۔اس تحریر کے بعد انہوں نے اپنے صوتی پیغام میں فرمایا کہ مجھے اس تحریر سے مکمل اتفاق ہے۔ ۳؍جولائی ۲۰۲۴ء کی شام کو دنیا نیوز چینل پر آپ نے وضاحتی بیان دیا،جس سے تمام تنازعہ نے دم توڑ دیا ان کا وضاحتی بیان ذیل میں ملاحظہ فرمائیں: (ادارہ لولاک)

میں نے اقلیتوں کے متعلق گفتگو کی تھی،اس میں پھر جو قادیانی ہیں ان کے معاملہ پر گفتگو ہوئی کہ قربانی ہو رہی تھی،ان کے بکرے پکڑے جا رہے تھے،تو ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ دستور کے اندر اور قانون کے اندر ان کے مذہبی حقوق کیا ہیں؟ان کو بھی دیکھنا چاہئے جائزہ لینا چاہئے۔

اس حوالہ سے میں نے جو گفتگو کی تو اس پر کچھ دوستوں کو بڑے اعتراض ہوئے۔علماء کرام نے مجھ سے رابطہ کیا۔مولانا الیاس چنیوٹی صاحب اپنے رفقاء سمیت تشریف لائے۔پھر مولانا اللہ وسایا صاحب، مولانا زاہد الرشدی صاحب،علامہ شفیق پسروری صاحب،مولانا عبدالخبیر آزاد صاحب،ڈاکٹر راغب نعیمی صاحب نے رابطہ کیا میں نے اپنا موقف دیا،انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔مولانا اللہ وسایا صاحب اور شفیق پسروری صاحب نے مجھے مضمون لکھ کر بھجوائے تاکہ میں ان سے استفادہ کروں۔

اب میرے نزدیک تو بات ختم ہوگئی کہ قادیانی جو ہیں وہ ایک الگ مذہب ہے اسلام سے،اس بارے میں کوئی دو رائے نہیں کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ہمارا دستور بھی یہی کہتا ہے۔

اب معاملہ یہ تھا کہ آیا ان کی جو حقوق ہیں دستور پاکستان کے تحت وہ کیا ہے؟

تو علماء کرام سب کی یہ رائے ہے کہ پہلے وہ دستور کو مانیں،اپنا سٹیٹس تسلیم کریں،اپنے آپ کو غیر مسلم مانیں اور پھر جو امتنائے قادیانیت آرڈیننس ہے ۱۹۸۴ء کا،جو ایک ویلڈ قانون ہے اس کے مطابق اپنے معاملات چلائیں تو ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔(باقی صفحہ نمبر:17)

اَسانیدِ حدیث میں وارِدحرف ''حاء'' کی تحقیق

مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود گلگتی

مدیر دارالتصنیف مدرسہ فاروقیہ کشروٹ گلگت

محدثین کرام نے فنون حدیث سے متعلق ہر فن میں تصنیف کا حق ادا کر دیا ہے، اس فن کے مسائل کو جمع کرنے اور اور پوری گہرائی کے ساتھ ان کی جانچ وتحقیق کی غرض سے مباحث وتالیفات لکھنے میں اپنی عمریں کھپا دیں، یہاں تک کہ ان کے آثار پر مطلع اور ان کے اخبار کا تتبع کرنے والا اس بات پر جزم کرے گا کہ انہوں نے اس کے چھوٹے بڑے، قلیل وکثیر الاستعمال کسی راہ کو نہیں چھوڑا، اس سب کے باوجود بعض مباحث ایسے ہیں جنہیں کسی ایک کتاب میں جمع نہیں کیا گیا اور انہیں کسی تصنیف میں الگ سے نہیں لکھا گیا، (البتہ یہ مسائل فنون حدیث کی کتب میں متفرق طور پر مذکور ہیں)، کہنے والے والے نے بالکل انصاف کی بات کی ہے: "کم ترک الأول للآخر" یعنی کتنے ہی کام ہیں جو پہلے والوں نے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔

احادیث کی سند میں وارد رمز (ح) کے بارے میں محدثین نے جو کچھ متفرق طور پر ذکر فرمایا ہے اگر تتبع کر کے اس کو گہرائی وتحقیق کے ساتھ جمع کیا جائے، خاص طور پر جب کہ آج یا پہلے کسی نے بھی اس پر الگ سے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، چناں چہ اس سلسلہ میں تتبع کے نتیجہ میں یہ بحث موجودہ شکل میں سامنے آ گئی ہے۔(1)

احادیث کی بکثرت مرویات وسماع کی وجہ سے محدثین نے اس اصطلاح کو وضع کیا، بسا اوقات ایک ہی حدیث کا سماع دسیوں مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ کرنا پڑتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حدیث کی طلب میں محدثین مختلف علاقوں کا سفر کیا کرتے اور بہت سارے شیوخ سے حدیث کا سماع کیا کرتے تھے، اگر ہر حدیث کو اس کی پوری سند اور متن کے ساتھ ساتھ مستقل طور پر الگ سے ذکر کرتے تو کتاب بہت طویل ہو جاتی، حالاں کہ ان میں سے اکثر مالی طور پر اس قدر تنگ دست ہوا کرتے تھے کہ روشنائی اور قلم خریدنے کے لیے بھی ان کے پاس مال نہیں ہوتا تھا، اسی طرح ہر سند کو کو مستقل طور پر لکھنے میں بہت سا وقت بھی خرچ ہوتا تھا، جب کہ وہ وقت کی حفاظت پر بہت حریص تھے اور ترجیحی طور پر اس کی حفاظت کرتے تھے، انہی اسباب کے پیش نظر اس دقیق رمز کا تصور وجود میں آیا۔

یہ وہ اصطلاح ہے جسے محدثین نے ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا ہے۔ ایک ہی متن کی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرنے والی اصطلاح سے متعلق محدثین

کے صنیع میں اختلاف واقع ہوا ہے، آیا یہ حا مہملہ (ح) (بغیر نقطہ) کے ہے، یا خا معجمہ (خ) (اوپر نقطہ کے ساتھ) یعنی خا ہے؟ یا یہ کہ اس کی جگہ بیاض چھوڑ کر کچھ بھی نہ لکھا جائے۔

اول: اکثر محدثین کے نزدیک اس اصطلاح کے لیے حرف (ح) وضع کیا گیا ہے، یہی مشہور ہے اور محدثین کے صنیع سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

دوم: بعض محدثین کے نزدیک اس کے لیے خا معجمہ یعنی (خ) کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ علامہ سخاوی نے فرمایا کہ بعض کے نزدیک یہ خا معجمہ (خ) ہے اور وہ اسے خاء معجمہ ہی پڑھتے ہیں، اس سے وہ ایک اور سند یا خبر مراد لیتے ہیں، دمیاطی نے اسے بعض محدثین سے نقل کیا ہے، جب کہ اکثر محدثین اس کے برخلاف اسے حاء سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ناظم نے کہا: "(و الأكثر الإعجام) مفعول رد "یعنی الاعجام رد فعل کا مفعول ہے، الاکثر فاعل ہے، مطلب یہ ہوا کہ اکثر محدثین نے اس کے خاء معجمہ ہونے کو رد کیا ہے۔(2)

سوم: اس کی جگہ کچھ لکھے بغیر دونوں سندوں کے درمیان تھوڑا سا بیاض چھوڑ دیا جائے۔ علامہ سخاوی نے فرمایا کہ میں نے بعض محدثین کو دیکھا کہ وہ دو سندوں کے درمیان تھوڑا سا بیاض چھوڑ دیتے ہیں، یہ غیر ممیزین (طلبا) کے لیے التباس کا باعث ہے۔(3)

تاریخ رمز:..... محدثین نے قدیم زمانہ سے اس اصطلاح کو اختیار کیا ہے، اس فن میں تصانیف کی ابتدا سے لے کر تمام دواوین اور مصنفات کی تدوین تک تسلسل کے ساتھ اس رمز کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ حا (ح) متاخرین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہے، صحیح مسلم میں بکثرت آئی ہے، جب کہ صحیح بخاری میں اس کا وجود قلیل ہے۔(4) تتبع کے مطابق سب سے پہلے اس رمز کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالی (المتوفی: 204ھ) نے استعمال فرمایا، مسند شافعی (5) میں آیا ہے:

أخبرنا ابن أبي فُدَيْك، عن ابن أبي ذِئْب، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، (ح) وأخبرنا مالك، عن عبد اللّٰه بن دينار، عن عبد اللّٰه ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي على راحلته في السّفر حيثما توجّهت به۔

وضاحت: دیکھیے اس مثال میں أخبرنا ابن أبي فُدَيْك سے لے کر سالم، عن أبيه تک ایک سند مکمل ہوگئی اور أخبرنا مالك، عن عبد اللّٰه بن دينار سے دوسری سند شروع ہوگئی، پہلی سند سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کے لیے یہاں پر امام شافعی رحمہ اللہ کلمہ تحویل (ح) لے کر آئے تاکہ وہ ایک سند سے دوسری کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرے۔

سب سے پہلے اس رمز کی تفسیر کے بارے میں ابوعمرو ابن صلاح (المتوفیٰ: 643ھ) نے اپنی کتاب ''علوم الحدیث''(6) میں بات کی۔ حافظ دمیاطی نے فرمایا کہ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے اس حرف کے بارے میں ابن صلاح نے گفتگو فرمائی۔(7) علامہ سخاوی نے ان کی بات کی تائید میں فرمایا: یہی ان (ابن صلاح) کے صنیع سے ظاہر ہوتا ہے، خاص طور سے انہوں نے اس مسئلہ کے شروع میں یہ صراحت کی ہے کہ کسی بھی معتمد عالم سے اس کی وضاحت ہم تک نہیں پہنچی۔(8)

رمز کی حقیقت:.....اس رمز کی حقیقت کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حا مہملہ (ح) (بغیر نقطہ) کے ہے، یا خا معجمہ (خ) (اوپر نقطہ کے ساتھ) یعنی خا ہے؟ پہلا قول: اکثر محدثین کے نزدیک یہ حا مہملہ یعنی (ح) ہے۔(9) دوسرا قول: بعض محدثین کے نزدیک یہ خا معجمہ یعنی (خ) ہے۔ علامہ سخاوی نے فرمایا کہ ہم نے جن سے سے نقل کیا ہے ان میں اس کے حا مہملہ (ح) ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ ابن کثیر نے کہا کہ بعض علما نے اس کے حا مہملہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، اور کہا کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ خا معجمہ (خ) ہے۔(10) یہ محض وہم نہیں، بلکہ حافظ شرف الدین دمیاطی نے فرمایا: **إن بعض المحدثين يستعملها بالخاء المنقوطة**۔(12) بعض محدثین اسے خا منقوطہ کے ساتھ یعنی (خ) استعمال کرتے ہیں۔

اس رمز سے محدثین کی مراد: حرف حا ''ح'' حدیث کی دو سندیں ہوں، یا دو سے زیادہ اسانید ہوں اور ایک ہی متن کے سیاق میں انہیں جمع کیا گیا ہو تو اس رمز کو ایک سند سے دوسری کی طرف منتقل ہونے کے لیے لایا جاتا ہے۔(12) ابن صلاح نے فرمایا کہ جب حدیث کی دو سندیں ہوں، یا دو سے زیادہ اسانید ہوں تو محدثین ایک سند سے دوسری کی طرف منتقل ہوتے وقت ''ح'' کا رمز لکھتے ہیں۔(13)

حافظ عراقی نے فرمایا کہ محدثین اور کاتبین حدیث کی یہ عادت چلی آرہی ہے کہ ایک حدیث کی دو یا اس زیادہ سندیں ہوں اور انہوں نے ایک متن میں ان اسانید کو باہم جمع کیا تو ایک سند سے دوسری کی طرف منتقل ہوتے وقت وہ ان دو سندوں کے درمیان ایک حاء مہملہ لکھتے ہیں، جو بصورت (ح) ہوتی ہے:۔(14)

اس رمز کا فائدہ:.....اس رمز کے متعدد فوائد ہیں: پہلا فائدہ: حدیث کے مکمل طرق کو ذکر کرتے وقت اس رمز سے اختصار اور عدم طوالت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ اکثر محدثین نے ایک ہی حدیث کئی مرتبہ بکثرت سنی ہوتی ہے، جیسا کہ مقدمہ میں گذرا ہے، اگر مصنف ان میں سے ہر ایک سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کرتا تو کتاب بہت زیادہ طویل ہوتی، چناں اختصار کے پیش نظر انہوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا۔ دوسرا فائدہ: یہ رمز دو سندوں کے درمیان حائل ہوتا ہے، تاکہ دوسری سند کو پہلی سند سے باہم ملا کر ایک نہ بنایا جائے، اگر اس رمز کو نہ لایا جائے تو جس شخص کو رجال

واسانید حدیث سے واقفیت نہیں وہ دوسری سند کے پہلے راوی کو پہلی سند کے آخری راوی کا شیخ گمان کرے گا،(15) حالاں کہ وہ دو الگ الگ سندیں ہوتی ہیں۔تیسرا فائدہ:اس رمز کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے لانے سے اسناد اول کی حدیث کے سقوط کا گمان ختم ہوجاتا ہے۔(16) چوتھا فائدہ: یہ رمز مصنف کی اس بات پر مدد کرتا ہے کہ وہ اپنے پاس موجود ایک ہی حدیث کے سارے یا اہم طرق کو ذکر کرے،اس میں بہت سارے اسنادی فوائد ہیں،ان میں سے ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ کثرت طرق سے حدیث کو تقویت پہنچتی ہے۔پانچواں فائدہ:اس رمز کا استعمال قاری حدیث کی بآسانی مدار اسناد کی تحدید کرنے پر مدد کرتا ہے،خصوصا وہ شخص جو طرق حدیث کی تشجیر کے درپے ہو اور اس کے سامنے بکثرت طرق حدیث وتحویلات ہوں۔

اس رمز کا معنیٰ اور ماخذ:.....اس رمز کے معنی اور ماخذ کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے کہ یہ کس چیز سے ماخوذ ہے؟اس سلسلہ میں نو(9) قول منقول ہیں،اس کلمہ کی تفسیر میں متعدد اجتہادی اقوال کا سبب یہ ہے کہ انہیں اس بارے میں متقدمین میں کسی معتمد عالم کی طرف سے کوئی واضح بات نہیں پہنچی۔علامہ سخاوی نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ کا اجتہاد ہے جیسا کہ بعض متاخرین نے فرمایا،بایں طور کہ انہیں اس بارے میں متقدمین کی طرف سے کوئی واضح بات نہیں پہنچی۔حافظ دمیاطی نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اس حرف کے بارے میں ابن صلاح نے بات کی،جیسا کی ان کے صنیع سے ظاہر ہوتا ہے،خاص طور سے انہوں نے اس مسئلہ کے شروع میں یہ صراحت کی ہے کہ کسی بھی معتمد عالم سے اس کی وضاحت ہم تک نہیں پہنچی۔(17) پہلے ان اقوال کا تذکرہ آئے گا جو اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ رمز حاء مہملہ ہے جیسا کہ یہ جمہور محدثین کا مذہب بھی ہے،اس کے بعد وہ اقوال بیان ہوں گے جن کے مطابق یہ رمز خاء معجمہ ہے۔

پہلا قول: پہلا قول یہ ہے کہ رمز(ح) یہ کلمہ(صح) یا(صحیح) سے ماخوذ ہے۔ابن الصلاح نے کہا کہ میں نے استاذ حافظ ابوعثمان صابونی(18)،حافظ ابومسلم عمر بن علی لیثی بخاری(19) اور فقیہ ومحدث ابوسعید خلیلی(20) کی تحریر میں اس کی جگہ صراحت کے ساتھ کلمہ (صح) لکھا ہوا پایا،اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کلمہ(صح) کی طرف اشارہ ہے،اور اس مقام پہ کلمہ(صح) کا اثبات اس لیے اچھا ہے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ اس اسناد کی حدیث ساقط ہوگئی ہے،اور اس وجہ سے کہ اسناد ثانی کو اسناد اول کے ساتھ ملا کر دونوں کو ایک سند نہ بنایا جائے۔(21) علامہ عینی نے فرمایا کہ محدثین کی ایک جماعت نے عراق کے عجمی حفاظِ حدیث سے اس رمز کی جگہ کلمہ(صح) لکھا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ صحیح کا رمز ہے۔(22)

دوسرا قول:.....دوسرا قول یہ ہے کہ رمز(ح) یہ کلمہ(الحدیث) سے ماخوذ ہے۔ابن الصلاح نے کہا میں نے اہل

مغرب کے کچھ اہل علم سے اس بارے میں گفتگو کی اور ان سے بعض محدثین کا یہ قول بیان کیا کہ یہ حا مہملہ ہے اور ہمارے قول (الحدیث) کی طرف اشارہ ہے، اس مغربی عالم نے مجھ سے کہا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی اختلاف وفرق نہیں کہ اسے حا مہملہ قرار دیا جائے اور قاری حدیث پڑھتے ہوئے اس جگہ پہنچ کر کلمہ (الحدیث) کہے۔(23) حافظ رُھاوی نے اس توجیہ سے انکار کیا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔ علامہ سخاوی نے فرمایا کہ اس انکار کی وجہ گویا یہ ہے کہ حدیث ابھی تک بیان نہیں ہوئی اور (الحدیث) کہا جارہا ہے۔ اگر پہلی سند کے ساتھ متن کا کچھ حصہ مذکور ہو تو پھر حافظ رُہاوی کا عدم انکار ممکن ہے، جیسا کی امام بخاری امام مالک کی حدیث سُمی سے، انہوں نے ابوبکر بن عبدالرحمن کی سند سے نقل کیا، ابوبکر بن عبدالرحمن نے کہا کہ ''میں اور میرے والد آئے اور حضرت عائشہ اور ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔'' اس کے بعد امام بخاری نے (ح) کہا اور ایک دوسری سند زہری کے واسطہ سے لائے اور پہلی سند میں مذکور ابوبکر سے نقل کیا کہ ان کے والد عبدالرحمن کو مروان نے خبر دی کہ کہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ نے ان سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کا وقت آگھیرتا اس حال میں کہ آپ اپنے گھر والوں سے جنبی ہوتے، پھر آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔(24)

(امام بخاری کی راویت): امام بخاری کی راویت ملاحظہ فرمائیں:

حدثنا عبد اللّٰہ بن مسلمة، عن مالک، عن سُمی مولی أبی بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث بن هشام بن المغیرة، أنه سمع أبا بکر بن عبد الرحمن، قال: ''کنت أنا و أبی حین دخلنا علی عائشة و أم سلمة'' (ح) حدثنا أبو الیمان، أخبرنا شعیب، عن الزهری، قال أخبرنی أبو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام، أن أباه عبد الرحمن أخبر مروان أن عائشة و أم سلمة أخبرتاه: ''أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم کان یدرکه الفجر، وهو جنب من أهله، ثم یغتسل، ویصوم''(25)

حافظ عبدالقادر رُہاوی کی رائے:..... یہاں دو باتیں قابل لحاظ ہیں: پہلی بات: حافظ عبدالقادر بن عبداللہ رُھاوی (26) نے رمز (ح) کا کلمہ (الحدیث) سے ماخوذ ہونے سے انکار کیا ہے۔ حافظ عبدالقادر رُھاوی نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اسے نہیں پڑھا جائے گا، دوران قراءت اس پہ جب پہنچیں گے تو کسی چیز کا تلفظ نہیں کیا جائے گا۔ ابن الصلاح نے کہا کہ میں نے کثیر الاسفار حافظ ابومحمد عبدالقادر بن عبداللہ رُہاوی (27) حنبلی سے اس رمز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ حرف حا ہے جو دو سندوں کے درمیان حائل ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا کہ دوران قراءت جب اس پہ پہنچیں گے تو کسی چیز کا تلفظ نہیں کیا جائے گا، انہوں نے اس کا (الحدیث) سے ماخوذ ہونے سے انکار کیا، انہوں نے اپنے مشائخ سے اس کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں سنا، ان کے مشائخ میں متعدد اپنے

زمانہ کے حافظ الحدیث تھے۔(28)

دوسری بات:.....حافظ شرف الدین دمیاطی (29) نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بعض اہل مغرب حفاظ کے پاس حدیث پڑھی، جب بھی وہ (ح) تک پہنچتے تو (حاجز) کہتے تھے۔اس بات سے اس مغربی عالم پر قدح درست نہیں جن سے ابن الصلاح نے یہ نقل کیا تھا کہ اہل مغرب میں اس بابت کوئی اختلاف نہیں کہ جب ان میں کوئی سند پڑھ کر رمز (ح) تک پہنچتا ہے تو وہ (الحدیث) کہتا ہے۔ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مغربی عالم کی مراد یہاں پہلی بات ہو کہ اس رمز سے ان کے نزدیک حاء مہملہ مراد ہے نہ کہ خاء معجمہ، اس تاویل سے ان کی بات درست ہوگی اور اعتراض ختم ہو جائے گا۔واللہ اعلم۔

تیسرا قول:.....تیسرا قول یہ ہے کہ (ح) یہ ''التحویل'' (بمعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے) سے ماخوذ ہے۔ابن الصلاح نے کہا کہ میرے ایک ہم سفر نے خراسان میں اصفہان کے اہل فضل سے نقل کیا کہ یہ حا مہملہ تحویل یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونے سے ماخوذ ہے۔(30) شمس الحق عظیم آبادی نے کہا کہ (ح) تحویل کی علامت ہے یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف جانا، خواہ یہ جانا اولِ سند سے ہو یا درمیان سے یا آخر سے ہو۔(31) یہی امام نووی اور محدثین کی ایک جماعت کا اختیار کردہ قول ہے۔(32)

چوتھا قول:..... چوتھا قول یہ ہے کہ (ح) یہ کلمہ (حائل) سے ماخوذ ہے۔ابن الصلاح کہتے ہیں کہ میں نے کثیر الاسفار حافظ ابو محمد عبدالقادر بن عبداللہ رُھاوی سے اس رمز (ح) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ (حائل) کا حا ہے، یعنی دو سندوں کے درمیان حائل ہوتا ہے، اور انہوں نے اس کا (الحدیث) وغیرہ سے ماخوذ ہونے سے انکار کیا، اور انہوں نے اپنے مشائخ سے اس کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں سنا، ان کے مشائخ میں متعدد اپنے زمانہ کے حافظ الحدیث تھے۔(33) علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ یہ کہا گیا کہ چوں کہ یہ دو سندوں کے درمیان حائل ہوتا ہے اس لیے (الحدیث) سے ماخوذ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس جگہ کسی چیز کا تلفظ کیا جائے گا۔(34)

پانچواں قول:..... پانچواں قول یہ ہے کہ (ح) یہ (الحیلولۃ) بمعنی ماقبل سے ماخوذ ہے۔ابن جماعۃ نے کہا کہ یہ کہا گیا ہے (قیل صیغہ تمریض کے ساتھ) کہ یہ (الحیلولۃ) سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ یہ دو سندوں کے درمیان حائل ہو کر ماقبل سند کو مابعد سے الگ کرتا ہے۔(35)

چھٹا قول:.....چھٹا قول یہ ہے کہ (ح) یہ (الحاجز) بمعنی ماقبل سے ماخوذ ہے۔(36) علامہ زرکشی نے کہا کہ میں نے بعض فضلا کی تحریر میں دیکھا کہ انہوں نے اپنے شیخ حافظ شرف الدین دمیاطی سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: لفظ (ح) اسے محدثین ایک سند کے اختتام پر اور دوسری سند کے شروع کرنے سے پہلے استعمال کرتے ہیں اور اس سے

ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونا مراد لیتے ہیں، اور دونوں سندوں کے درمیان اسے حاجز (رکاوٹ) گردانتے ہیں، میرے پاس اہل مغرب میں سے ایک حافظ نے حدیث پڑھی، جب بھی وہ کلمہ (ح) پہ پہنچتا تو وہ (ح) کو (حاجز) پڑھتا تھا۔(37)

ساتواں قول:.....ساتواں قول یہ ہے کہ (ح) یہ کلمہ (آخر) بمعنی دوسری سند سے ماخوذ ہے، اور یہ اس قول پر مبنی ہے کہ یہ خا معجمہ (خ) ہے۔ابن کثیر نے اسے حا مہملہ (ح) قرار دینے کے بعد کہا کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ خا معجمہ (خ) ہے یعنی بمعنی دوسری سند، جب کہ مشہور اول ہے اور بعض علما نے اس کے حا مہملہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔(38) اس پر پہلے تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خا معجمہ والا قول محض وہم نہیں ہے، بلکہ یہ بعض محدثین کا مذہب ہے۔

آٹھواں قول:.....آٹھواں قول یہ ہے کہ (ح) یہ کلمہ (خبر) سے ماخوذ ہے، اور یہ قول بھی اس بنیاد پر ہے کہ یہ خا معجمہ (خ) ہے۔حافظ شرف الدین دمیاطی نے فرمایا کہ بعض محدثین اسے خا منقوطہ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور اس سے (أخبر) (39) اور (خبر) مراد لیتے ہیں۔(40)

نواں قول:.....نواں قول یہ ہے کہ کلمہ (خروج) سے ماخوذ ہے اور ایک سند سے نکل کر دوسری سند کی طرف جانے کا اشارہ ہے، اور یہ قول بھی اس بنیاد پر ہے کہ یہ خا معجمہ (خ) ہے۔(41)

دسواں قول:.....دسواں قول یہ ہے کہ یہ رمز کلمہ (البخاری) سے ماخوذ ہے اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف اشارہ ہے۔علامہ عینی نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 32 کی شرح میں یہی بات ذکر کی ہے، ذیل میں حدیث اور علامہ عینی کی شرح ملاحظہ فرمائیں:

بخاری کی روایت: (حدثنا أبو الوليد، قال حدثنا شعبة، (ح) قال وحدثني بشر، قال حدثنا محمد، عن شعبة، عن سليمان، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، قال: لما نزلت "الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم "قال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أينا لم يظلم، فأنزل الله "إن الشرك لظلم عظيم"۔

امام بخاری نے فرمایا کہ ہم سے حدیث بیان کی ابوالولید نے، انہوں نے کہ ہم سے حدیث بیان شعبہ نے، (ح) امام بخاری نے فرمایا کہ اور ہم سے حدیث بیان کی بشر نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان محمد نے، انہوں نے شعبہ سے روایت کی، انہوں نے سلیمان سے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ سے، انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا کہ جب (سورہ انعام:82) یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ سن کر کہا کہ ہم میں سے کس نے ظلم نہیں کیا۔یعنی انہوں نے ظلم کو عموم پر محمول کیا۔تو اللہ تعالی نے (سورہ لقمان:13) یہ آیت اتاری کہ بلاشبہ شرک ظلمِ

عظیم ہے۔(یعنی ظلم سے عموم مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے)۔

علامہ عینی کی شرح:..... **فی بعض النسخ قبل قوله: (وحدثنی بشر) صورة: ح، أشار إلى التحويل حائلا بين الإسنادين، فهذا إن كان من المصنف، فهي تدل على التحويل قطعا، وإن كان من بعض الرواة قدزادها فيحتمل وجهين: أحدهما، أن تكون مهملة دالة على التحويل كما ذكرناه. والآخر: أن تكون معجمة دالة على البخاری بطريق الرمز، أی: قال البخاری: وحدثنی بشر، والرواية الصحيحة بواو العطف، فافهم.** (42) علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں سے (وحدثنی بشر) سے قبل (ح) کی مذکور ہے جو دو سندوں کے درمیان حائل ہے اور تحویل سند کی طرف اشارہ ہے، اگر یہ (ح) مصنف یعنی امام بخاری کی طرف سے ہے تو یہ یقینی طور پر تحویل سند پر دلالت کر رہا ہے، اگر یہ بعض روات حدیث کی طرف سے اضافہ ہے تو اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ حاء مہملہ (ح) ہو اور تحویل پر دلالت کرے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ خاء معجمہ (خ) ہو بطریق رمز امام بخاری پر دلالت کرے، یعنی امام بخاری نے یہ فرمایا: (وحدثنی بشر)، چناں چہ روایت واؤ عطف کے ساتھ صحیح ہوگی۔

علامہ عینی کی آخری عبارت (**والرواية الصحيحة بواو العطف**) کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض تصحیح شدہ روایات میں واؤ عطف کے ساتھ صرف (**وحدثنی**) آیا ہے ماقبل حاء مہملہ کے بغیر۔(43) **(باقی آئندہ)**

☆.....☆.....☆

1: یہ مضمون تحویل سند کے سلسلہ میں وارد (ح) تحویل کی تحقیق پر مشتمل ڈاکٹر احمد بن علی بن احمد القرنی، استاذ مشارک شعبہ فقہ السنہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک مختصر رسالہ "ال إرشاد إلى معانی (ح) الواردة فی ال إسناد" سے ماخوذ ہے۔

2: الغاية فی شرح الهداية فی علم الرواية:1/.140

3: الغاية فی شرح الهداية فی علم الرواية:1/.140

4: المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج:1/167، دیکھیے: فتح المغيث:3/89، قواعد التحديث، ص:209، توجيه النظر الى اصول الاثر:2/718، دليل ارباب الفلاح، ص:148، الوسيط، ص:.137

5: مسند الشافعی، ص:23، وانظر: مسند الشافعی-ترتيب السندی-:1/66، حديث رقم:.197

6: ص:203۔

7: النكت على مقدمة ابن الصلاح:3/595، فتح المغيث:3/90۔۔

8: فتح المغيث:3/92، تدريب الراوی:1/519، توجيه النظر الى اصول الاثر:2/.718

9: دیکھیے: علوم الحديث، ص:203۔ المنهاج شرح صحيح مسلم:1/168۔ إرشاد طلاب الحقائق:1/449۔ شرح التبصرة

والتذکرۃ،ص: .497التقیید والایضاح،ص: .218رسوم التحدیث،ص: .122محاسن الاصطلاح،ص: .385النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/595۔الکافی فی علوم الحدیث،ص:567۔المنہل الروی،ص:96۔الشذا الفیاح:1/ .351المقنع:1/ .364فتح المغیث:3/89۔تدریب الراوی،ص:377،378۔توجیہ النظر إلی أصول الأثر:2/718۔قواعد التحدیث،ص:.217

10: دیکھیے:فتح المغیث:3/ .90توجیہ النظر إلی أصول الأثر:2/ .718

11: النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح للزرکشی:3/.595

12: دیکھیے:المنہاج شرح صحیح مسلم:1/38۔النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/595۔المنہل الروی،ص:96۔عمدۃ القاری:1/ .75شرح ألفیۃ العراقی لابن العینی،ص: .240الشذا الفیاح:1/ .351المقنع:1/ .364محاسن الاصطلاح،ص: .385الغایۃ شرح الہدایۃ فی علم الروایۃ:1/ .140تدریب الراوی،ص: .164المختصر فی علم الأثر،ص: .163توضیح الأفکار:2/.221

13: علوم الحدیث،ص:.203

14: شرح التبصرۃ والتذکرۃ:1/.497

15: دیکھیے:علوم الحدیث،ص: .204الکافی فی علوم الحدیث،ص: .567رسوم التحدیث،ص: .122الشذا الفیاح:1/ .351المقنع:1/ .364شرح التبصرۃ والتذکرۃ،ص: .1497التقیید والایضاح،ص: .218عمدۃ القاری:1/ .75فتح المغیث:3/ .91إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری:1/71۔

16: دیکھیے مصادر سابقہ۔

17: فتح المغیث:3/91،92۔حافظ دمیاطی کے قول کو النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/595 میں بھی ملاحظہ کیجیے۔

18: یہ نامور واعظ،مفسر اور محدث ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمن نیشاپوری صابونی ہیں،انہوں نے زاہر سرخسی اور ان کے ہم طبقہ علماء سے روایت کی ہے،علامہ نیشاپوری صاحب ماہ صفر 449ہجری میں 77سال کی عمر میں فوت ہوئے۔یہ اپنے زمانہ کے شیخ خراسان تھے،امام بیہقی نے ان کو مسلمانوں کا امام اور شیخ الاسلام قرار دیا ہے۔دیکھیے:العبر فی خبر من غبر:2/ .294النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر وقاہرۃ:5/ .62

19: یہ حافظ الحدیث ابومسلم عمر بن علی بن احمد بن اللیث لیثی بخاری ہیں،طلبِ حدیث میں ان کے وسیع اسفار تھے، بہت سے محدثین سے انہوں نے حدیث سنی اور حدیث کی ایک خاصی تعداد انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھی،تخریج اور جمع کا کام بھی کیا۔مؤتمن ساجی نے ان کے بارے میں فرمایا:ابومسلم حدیث کی اچھی پہچان رکھتے تھے،صحیح احادیث کا شدید اہتمام فرماتے تھے۔شجاع ذہلی نے فرمایا کہ ابو مسلم حدیث کو حفظ کرنے کے ساتھ اسے سمجھتے تھے اور علم حدیث کی بھی اچھی معرفت تھی،روایت میں ثقہ سمجھے جاتے تھے۔دیکھیے:تاریخ بغداد:20/ .78تاریخ الإسلام:10/ .237تذکرۃ الحفاظ:4/ .24

20: مجھے ان کا ترجمہ وحالات نہیں ملے۔

21: علوم الحدیث،ص:203۔دیکھیے:المنہاج شرح صحیح مسلم:1/38۔الکافی فی علوم الحدیث،ص:567۔الشذا الفیاح:1/ .351المقنع:1/ .364شرح التبصرۃ والتذکرۃ،ص: .497التقیید والایضاح،ص: .218عمدۃ القاری:1/75۔محاسن الاصطلاح،ص: .385فتح المغیث:3/ .91تدریب الراوی1/ .519إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری:1/ .71فتح الباقی:

2/ .62 توجیہ النظر إلی أصول الأثر:2/718

22: عمدۃ القاری:2/5۔

23: علوم الحدیث،ص: 204۔ دیکھیے: المنہاج شرح صحیح مسلم: 1/ 38۔ اختصار علوم الحدیث (مع الباحث الحثیث): 2/ .393 رسوم التحدیث،ص: .123 المقنع:1/ .364 شرح التبصرۃ والتذکرۃ،ص: .498 التقیید والایضاح،ص: .218 عمدۃ القاری: 1/ 75 و 2/ .5 شرح ألفیۃ العراقی لابن العینی،ص: .240 الغایۃ شرح الہدایۃ فی علم الروایۃ: 1/ .140 محاسن الاصطلاح،ص: .385 فتح المغیث:3/ .90 تدریب الراوی:1/ .519 إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری:1/ .71 المعید فی أدب المفید والمستفید،ص: .264 فتح الباقی:2/ .62 توجیہ النظر إلی أصول الأثر:2/718۔

24: فتح المغیث:3/.90

25: کتاب الصیام، باب الصائم یصبح جنبا:2/ ,679 الحدیث رقم:.1825

26: یہ حافظ ابو محمد عبد القادر بن عبد اللہ رُہاوی حنبلی ہیں، جمادی الآخرہ سنہ 536ھ کو 'رُہا' نامی بستی میں پیدا ہوئے، سنہ 539ھ میں جب سلطان زنگی نے 'رہا' کو فتح کیا تو یہ غلام بنائے گئے، بنوفہم کے حرانیوں نے اسے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ نے فنِ حدیث کو ان کے لیے محبوب بنادیا تھا، انہوں نے حدیث کی بکثرت سماعت کی۔ ان کی تصانیف میں سے "الاربعون المتباینۃ الاسناد والبلاد" بھی ہے، ابن العماد نے کہا یہ ایسی کتاب ہے کہ ان سے پہلے کسی نے اس موضوع پر نہیں لکھا اور بستیوں کی تباہی کے باعث نہ ان کے بعد کسی محدث سے اس کی امید ہے۔ آپ رحمہ اللہ بروز اتوار 2 جمادی الثانی، سنہ 612ھ کو حران میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: العبر فی خبر من غبر:5/ .41 تاریخ الإسلام:62/ .104 سیر أعلام النبلاء:22/ .71 ذیل طبقات الحنابلۃ:2/ .82 شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: 7/ .92

27: رُہاوی اکثر کے نزدیک را کے ضمہ کے ساتھ یہ »الرُہا« کی طرف نسبت ہے۔

28: علوم الحدیث،ص: 204۔ دیکھیے: اختصار علوم الحدیث (مع الباحث الحثیث):2/ .393 رسوم التحدیث،ص: .123 المقنع:1/ .364 شرح التبصرۃ والتذکرۃ،ص: .497 التقیید والایضاح،ص: .218 الغایۃ شرح الہدایۃ فی علم الروایۃ:1/ .140 فتح المغیث:3/ .90 فتح الباقی:2/ .62

29: یہ ماہر نسب، امام حافظ شیخ عبد المؤمن بن خلف بن ابی الحسن شرف الدین دمیاطی شافعی ہیں، انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں، عمل تنیس کے ایک گاؤں تونہ میں 613ھ میں پیدا ہوئے، 23 سال کی عمر میں طلبِ حدیث میں مشغول ہوئے، سنہ 636ھ کو اسکندریہ میں علامہ سلفی کے شاگردوں سے حدیث سنی، پھر قاہرہ تشریف لائے اور روایت اور درایت دونوں کے اعتبار سے حدیث کا اہتمام کیا اور حافظ زکی الدین کو لازم پکڑا یہاں تک کہ ان کے معاون مدرس بنے۔ 643ھ میں حج کیا اور حرمین میں حدیث کا سماع کیا، 645ھ میں طلب حدیث کے سلسلہ میں شام گئے، پھر الجزیرہ اور عراق کا دو دفعہ سفر کیا عالی اور نازل سند پر مشتمل احادیث لکھیں، کتابیں تصنیف کیں، حدیث سنائی، اور اپنے کبار مشایخ کی زندگی میں ہی حدیث کا املا کروایا، ان کی مشیخت ان کے حفظ و علم کی گواہ تھی، موت تک حدیث کا سماع جاری رہا یہاں تک کہ 15 ذی القعدہ سنہ 795ھ کو اچانک انتقال کر گئے اور قاہرہ کے باہر باب النصر کے پاس ایک مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ دیکھیے: فوات الوفیات:2/ .409 طبقات الشافعیۃ الکبری:10/ .102 الدرر الکامنۃ:3/.30

30: علوم الحدیث،ص:204۔دیکھیے:اختصارعلوم الحدیث(مع الباحث الحثیث):2/ .393رسوم التحدیث،ص: .122 المقنع: 1/ .364الشذاح الفیاح: 1/ .351النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح: 3/ .595محاسن الاصطلاح،ص: .385عمدۃ القاری:1/75،و2/ .5إرشادالساری:1/ .71فتح الباقی:2/ .62

31: عون المعبود:1/.64

32: دیکھیے:المنہاج شرح صحیح مسلم:1/167۔شرح التبصرۃ والتذکرۃ،ص: .498التقیید والایضاح،ص: .218شرح ألفیۃ العراقی لابن العینی،ص: .240النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/ .595فتح المغیث:3/ .90تدریب الراوی:1/ .519المعید فی أدب المفید والمستفید،ص: .264توجیہ النظر إلی أصول الأثر:2/ .718دلیل أرباب الفلاح،ص:148۔

33: علوم الحدیث،ص: 204۔دیکھیے: المنہاج شرح صحیح مسلم: 1/ 38۔اختصارعلوم الحدیث (مع الباحث الحثیث): 2/ .393رسوم التحدیث،ص: .123المقنع:1/ .364شرح التبصرۃ والتذکرۃ،ص: .497التقیید والایضاح،ص: .218عمدۃ القاری: 1/ 75و 2/ .5شرح ألفیۃ العراقی لابن العینی،ص: .240الغایۃ شرح الہدایۃ فی علم الروایۃ: 1/ .140محاسن الاصطلاح،ص: .385فتح المغیث:3/ .90تدریب الراوی:1/ .519إرشادالساری لشرح صحیح البخاری:1/ .71المعید فی أدب المفید والمستفید،ص: .264فتح الباقی:2/ .62توجیہ النظر إلی أصول الأثر:2/718۔

34: تدریب الراوی:1/ .519

35: المنہل الروی،ص:.96

36: فتح المغیث:3/.90

37: النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/595،اس میں کچھ تصحیف ہوئی ہے،دیکھیے:فتح المغیث:3/.90

38: اختصارعلوم الحدیث مع الباعث الحثیث:2/393۔إرشادالساری:1/.71

39: یوں لگتا ہے کہ یہاں کلمہ(اخبر)میں تصحیف ہوئی ہے،سیاق کلام میں اس کوکوئی معنی نہیں بنتا،درست کلمہ(آخر)ہے،جیسا کہ ابن کثیر کے کلام میں پہلے گذرا ہے۔واللہ اعلم،دیکھیے:فتح المغیث:3/ .90إسعاف ذوی الوطر:2/.42

40: النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/.595

41: فتح المغیث:3/ .91توجیہ النظر:2/ .718إسعاف ذوی الوطر:2/.42

42: عمدۃ القاری:1/.215

43: دیکھیے:إرشادالساری لشرح صحیح البخاری:1/.117

مقام صحابہ قرآن کریم کی روشنی میں

مولانا شفیق احمد اعظمی

صحابی کی تعریف:

علماء متقدمین ومتاخرین نے صحابی کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس صاحب ایمان شخص کو صحابی کہا جائے گا جس نے ایمان کی حالت میں خاتم النّبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کیا اور اسی ایمان کے ساتھ وفات پائی، اور ظاہر ہے کہ وہ نابینا حضرات یا صحابہ کے نومولود بچے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں لائے گئے ان سب کو ملاقات حاصل ہے لہٰذا بلا تردد جماعت صحابہ میں ان کا شمار ہوگا۔

اس طرح کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا پاکیزہ گروہ اس زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں علماء اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف کا بالاتفاق قول ہے کہ سب کے سب نجوم ہدایت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أصحابي كالنُّجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم (ترمذی) گروہ صحابہ کا وجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر پیغام رسالت کو خطۂ ارضی کے ہر گوشہ تک اس کی حقیقی روح کے ساتھ پھیلایا اور اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا بھی ثابت کر دیا اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سورہ فاطر: ۲۴) کی تفسیر بھی دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ برگزیدہ جماعت کے ذریعہ اسلام کا تعارف بھی کرادیا گیا اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور سنت کو عام کیا گیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الگ رکھ کر ان کو عام انسانوں کی طرح خاطی وعاصی تصور کر کے غیر معتبر قرار دیا جائے گا تو اسلام کی پوری عمارت ہی منہدم ہوجائے گی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت معتبر رہے گی نہ قرآن اور اس کی تفسیر اور حدیث کا اعتبار باقی رہے گا کیونکہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ من جانب اللہ ہم کو عطا کیا ہے وہ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی معرفت پہنچا ہے خود معلم انسانیت محمد عربی نے اپنے جاں نثار اطاعت شعار صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ کرام نے اوّل اوّل، زبان رسالت سے آیات اللہ کو ادا ہوتے سنا تھا اور کلام رسول کی سماعت کی تھی پھر دونوں کو دیانت وامانت کے ساتھ اسی لب ولہجہ اور مفہوم ومعانی کے ساتھ محفوظ رکھا اور بحکم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو

دوسروں تک پہنچایا کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تبلیغ کا مکلف بنایا تھا..... بَلِّغُوْ عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً (بخاری ومسلم) میری جانب سے لوگوں کو پہنچادو اگر چہ ایک آیت ہی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہ نبوت میں حاضری کا مکلف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدبہ جماعت اللہ کے رسول کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک جماعت کی آپ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت میں موجود نہیں ہیں ان تک ان نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورہ توبہ:۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب چلے جائیں۔ تو کیوں نہ ہر فرقہ میں سے نکلی ایک جماعت جو مہارت ورسوخ حاصل کرتی دین میں اور تا کہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ لوٹ کر آئیں ان کے پاس ہوسکتا ہے کہ وہ ڈریں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نہیں ہوسکتی اور صحابہ کرام کی پیروی کئے بغیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کا تصور محال ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباع سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال وجمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے قولِ پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے اس نے صحابہ کرام کی اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرما کر قیامت تک کیلئے ان نفوس قدسیہ پر تنقید وتبصرہ اور جرح وتعدیل کا دروازہ بند کردیا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان کی صداقت اور اپنی پسندیدگی کی سند بھی بخشی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت صحابہ کرام پر نقد وتبصرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کو علماء حق نے نفس پرست اور گمراہ قرار دیا ہے ایسے افراد اور جماعت سے قطع تعلق ہی میں خیر اور ایمان کی حفاظت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت (خواہ کبار صحابہ ہوں یا صغار صحابہ) عدول ہے اس پر ہمارے ائمہ سلف اور علماء خلف کا یقین وایمان ہے۔ قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق آیات پر ایک نظر ڈالئے پھر ان کے مقام ومرتبہ کی بلندیوں کا اندازہ لگائیے اس کے بعد بھی اگر کسی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص

کی جرأت کی ہے تو اس کی بدبختی پر کفِ افسوس ملئے۔

صحابہ سراپا ادب اور پیکر تقویٰ تھے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (سورہ الحجرات:۳)

ترجمہ: بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

کفر و فسق سے محفوظ تھے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ (سورۃ الحجرات:۷)

ترجمہ: اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کی (تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔

عبادت کے خوگر اور رحمدل تھے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سورہ فتح:۲۹)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کی (عبدیت) کے آثار سجدوں کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سورہ فتح کی تفسیر کرتے ہوئے معارف القرآن جلد ۸ میں تحریر کرتے ہیں:

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات اسی سورۃ میں آچکی ہیں:

(۱) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ، (۲) اَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا، ان کے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے (۳) یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے: (۴) وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔

یعنی ان سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ یعنی جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

صحابہ پر طعنہ زنی جائز نہیں:

امام المفسرین علامہ قرطبی اپنی مشہور ومعروف تفسیر قرطبی جلد نمبر ۱۶، ص: ۳۲۲ پر رقم طراز ہیں: یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور ان سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے ان کے باہمی اختلافات میں کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہتر طریقہ پر کریں، کیونکہ صحابیت بڑی حرمت (وعظمت) کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے۔ بحوالہ معارف القرآن، ج: ۸۔

ہر مشکل کا حل اتباع صحابہ:

آج ہم مسلمانوں کو عالمگیر سطح پر مشکلات کا سامنا ہے ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی ہے دشمنان اسلام متحد اور اسلام کو مٹانے پر متفق ہیں، پوری دنیا میں اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں میڈیا سرگرم ہے۔ ہم ایک خطرناک اور نازک دور سے گذر رہے ہیں ان حالات میں صحابہ کرام کی مثالی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے ان پاکیزہ نفوس کو بھی ان حالات کا سامنا تھا بلکہ بعض اعتبار سے آج کے حالات سے زیادہ خطرناک صورتِ حال تھی مکہ میں ابتلاء وآزمائش کے شدید دور سے گذرتے تھے تعداد بھی کم تھی اور وسائل بھی نہیں، حدیبیہ میں یہودیوں اور منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور سازشیں تھیں، مشرکین مکہ کے حملے اور یہودی قبائل سے لڑائیاں تھیں پھر دائرہ وسیع ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ کے خطرناک عزائم تھے ان سب حالات کا مقابلہ صحابہ کرام نے جس حکمت عملی اور صبر واستقامت سے کیا وہی تاریخ ہم کو دہرانی پڑے گی، اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیرتِ صحابہ کا مطالعہ کریں ان کو اپنا رہنما ومقتدا جان کر اِس محبت وعقیدت سے ان کی پیروی کریں کہ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہے صحابہ ہمارے لئے معیارحق اور مشعل راہ ہیں ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی گوارہ نہیں ان کی عظمت شان کی بلندیوں تک کسی کی رسائی نہیں عصر حاضر میں ان حضرات کی پیروی گذشتہ صدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ضروری اور اہم ہے اور کامیابی کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں۔

سیّدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما

جناب عطاء محمد جنجوعہ

نواسۂ رسول سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ ۵ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ سرورِ کائنات نے خبر سن کر مسرت کا اظہار فرمایا اور فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ سیّدہ اسماء بنت عمیس نے نومولود کو کپڑے میں لپیٹ کر نانا جان کی خدمت میں پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے اپنی آغوش میں لے لیا اور برکت کے لیے اپنی زبان مبارک اُن کے مُنھ میں ڈالی، پھر خرما چبا کر اس کی ''گھٹی'' دی اور ''حسین'' نام رکھا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن نواسے کے بال ترشوائے اور اس کے ہم وزن چاندی صدقہ فرمائی۔ دو مینڈھے ذبح کر کے عقیقہ کیا اور اسی روز اُن کا ختنہ بھی کرا دیا۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں اپنے نانا جان سے مشابہت رکھتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کے صحابہ کرام کو بھی اس ولادت پر خوشی ہوئی۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی اور سیّدنا عباس کی زوجہ ام فضل بنت حارث نے خواب دیکھا کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا اُن کی آغوش میں گرا ہے۔ وہ پریشان ہو کر بیدار ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: غم نہ کرو، خواب بہت مبارک ہے۔ عنقریب فاطمۃ کے بطن سے بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تمھارے ذمہ ہوگی اور تم اس کو دودھ پلاؤ گی۔ چنانچہ جب سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو انھیں ام فضل کے سپرد کیا گیا اور جب تک سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے چلنا نہیں سیکھا وہی اُن کو دودھ پلاتی رہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح اپنے نواسوں سے بھی بے پناہ محبت تھی۔ آپ ان کو گود میں بٹھا لیتے، کندھوں پر اُٹھا لیتے اور اُن سے پیار کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا حسن وحسین کی شان میں فرمایا:

(إنهما ريحانتاي من الدنيا۔) ''یہ دونوں تو دنیا میں میرے پھول ہیں۔''

(صحيح بخاري، رقم: ۳۷۵۳)

ایک دفعہ سیّدنا حسن وحسین دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللّٰهم إني أحبهما فأحبهما و أحب من يحبهما۔)) (جامع ترمذي، رقم: ۳۷۶۹)

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، تُو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان دونوں کو محبوب رکھے تُو بھی اس کو محبوب بنا لے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسنین کریمین سے بہت زیادہ اُنس تھا، خود سیّدہ فاطمہؓ کے گھر جا کر حسنین کریمین کو دیکھتے یا اپنے پاس بلا لیتے۔ ان کا سر اور مُنھ چوم کر پیار کرتے اور سینے سے لگا کر انھیں دعائیں دیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حسن و حسین بھی گرتے پڑتے مسجد میں آ پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو محبت غالب آ گئی، خطاب روک کر منبر سے اُترے اور دونوں کو اُٹھا کر منبر پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ (سنن ابی داود، حدیث: ۱۱۰۹)

ایک روز سیّدنا حسین مسجد میں تشریف لائے، اُس وقت حضور نماز میں مصروف تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک سے لپٹ گئے۔ آپ نے تھوڑی دیر توقف کیا، مگر جب تک وہ علیحدہ نہ ہوئے تو ایک ہاتھ سے انھیں پکڑے رکھا تاکہ گر نہ جائیں اسی طرح اُن کو پکڑے ہوئے قیام ورکوع فرماتے رہے۔ (مستدرک حاکم: ۳/ ۱۶۷)

سیّدنا حسین اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کھیل کود اور بھاگ دوڑ میں حصہ لیتے رہے۔ آپ غلیل سے نشانہ لگایا کرتے تھے اسی شوق نے آپ کو تیراندازی کا ماہر بنا دیا۔ سیّدنا حسین لکڑی کی تلوار سے تیغ زنی کی مشق کرتے تھے۔

آپ کی عمر سات سال تھی کہ نانا جان کی شفقت سے محروم ہو گئے۔

سیّدہ فاطمہؓ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خوب توجہ دی۔ ایک دفعہ حسن و حسین کسی بات پر آپس میں جھگڑ پڑے اور اپنی والدہ کے پاس پہنچے، انھوں نے دونوں کے بیان سنے پھر فرمایا میں نہیں جانتی کہ کس نے مارا ہے اور کس نے مار کھائی ہے میرے نزدیک تم دونوں قصوروار ہو۔ فرمایا؛ بیٹو! اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ (زمین میں لڑائی جھگڑے نہ کرو) جاؤ جا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اپنے گناہ بخشواؤ۔ ماں کی نصیحت سن کر دونوں اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر تائب ہوئے اور زندگی بھر ایک دوسرے کی دل شکنی نہ کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے چھ ماہ بعد سیّدہ فاطمہؓ بھی داغِ مفارقت دے گئیں تو سیّدنا علی المرتضیٰ نے حسن و حسین کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اُن کو گھڑ سواری، تیراندازی، تیغ زنی جیسے فنونِ حرب کے اصول و قواعد سکھائے۔ حیدر کرار نے اپنے فرزندوں کو جنگ کی مشقیں کرائیں اور اُن کو محاربات کی عملی تعلیم دی۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نوجوانی ہی میں جہاد و قتال کے فنون اور آداب میں ماہر ہو گئے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سات برس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ آپ جو فرمان سن لیتے اسے یاد کر لیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام کرتا دیکھتے وہ آپ کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ خود بھی سنت کے مطابق عمل کرتے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے۔

ایک دفعہ چند افراد نے افطاری میں تاخیر کی تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لوگو! اللہ کا خوف کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ

کھولنے میں جلدی کرو اور سحری کھانے میں دیر کرو۔ مگر تم اس کے برعکس کر رہے ہو!''

آپ جب کبھی مسجد نبوی میں درس دیتے تو مجلس میں ایسا سکوت ہوتا جیسے پرندے اُن کے سروں پر بیٹھے ہوں۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ جہاں کہیں تشریف لے جاتے، لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ لوگوں کی درخواست پر کلام اللہ اور کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سناتے۔ آپ سیّدنا علی کی عدم موجودگی میں خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نہایت خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے۔ نماز تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے، رات کی نمازوں میں بہت آہ وزاری کرتے۔ آپ پر جب کوئی مشکل وقت آتا تو رب کے دربار میں سربہ سجود ہو کر رو رو کر دعا مانگتے۔ جب مصیبت دور ہو جاتی، پھر بھی نماز ادا فرماتے۔ کسی نے پوچھا: کیا نماز پڑھنے سے مصیبت دُور ہو جاتی ہے؟ فرمایا: ہاں! کیا تُو نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

{یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝} [البقرۃ: ۱۵۳]

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

آپ نے کئی حج کیے، عموماً پا پیادہ جاتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: مشقت کرنے سے زیادہ لطف اور ثواب ملتا ہے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کتاب وسنت کے علم کے گہوارے تھے اور اعلیٰ درجے کے صاحبِ فہم وعقل تھے۔ جب آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تو آپ اس کو قرآن حکیم سے معلوم کرتے اگر نہ ملتا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے، اگر سراغ نہ ملتا تو صحابہ کرام کے آثار واقوال اور فیصلوں میں تلاش فرماتے۔

اہل بیت عظام عقیدۂ توحید کے داعی تھے۔ سیّدنا زین العابدین فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس موجود ایک اوٹ میں جا کر کھڑا ہے اور کوئی دعا مانگ رہا ہے۔ میں نے اسے منع کیا اور کہا: میں تجھے ایسی حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے والدِ گرامی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ سے سنا ہے اور انھوں نے اپنے والد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگو! تم میری قبر کو بار بار آنے کی جگہ (عید) نہ بنانا اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنا لینا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا تم جہاں سے بھی مجھ پر درود بھیجو گے مجھے پہنچ جائے گا۔'' (تاریخ کبیر از امام بخاری: ۲/۱۸۶)

اہل بیت سے محبت کا تقاضہ ہے کہ ان کے عقیدہ وعمل اور ان کے ایمان واسلام کو اپنایا جائے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نہایت حلیم ونرم خو تھے۔ اگر کسی موقع پر کوئی ترش روی سے پیش آتا تو آپ اس کا مواخذہ نہ کرتے بلکہ اسے احسن انداز میں سمجھاتے تو وہ آپ کا حلم دیکھ کر معذرت طلب کر لیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رحم دل تھے، ساتھیوں کے قصور اور خادموں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے تھے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے معقول وظیفہ ملتا تھا اور تجارت بھی کرتے تھے۔ آپ نہایت سخی تھے۔ کوئی محتاج یا سوالی آپ کے در سے خالی نہیں لوٹا۔ آپ یتیموں، بیواؤں اور مستحق افراد کی بن مانگے مدد فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی سفر میں ایک غریب عورت نے آپ کو کھانا کھلایا پھر جب وہ ایک مدت کے بعد کسی کام سے مدینہ منورہ آئی تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہزار درہم اور ایک ہزار بکریاں عنایت کیں۔

ایک بار سیّدنا اُسامہ بیمار پڑ گئے تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ نہایت افسردہ حالت میں تھے۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کس بات کا غم ہے؟ اسامہ بولے: ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں اور اس کی ادائیگی کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فکر نہ کرو یہ قرض میں ادا کر دوں گا۔ سیّدنا اسامہ نے عرض کیا: بس یہی وہ قرض تھا جس سے خائف ہوں کہ مقروض حالت میں نہ مر جاؤں، چنانچہ آپ نے ان کا قرض چکا دیا۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قناعت کا یہ عالَم تھا کہ سخاوت کی وجہ سے بعض اوقات گھر میں کچھ نہ بچتا تو خشک چپاتی کھا کر اللہ کا شکر بجالاتے۔

لوگ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے اگر کوئی دعوت کا اہتمام کرتا تو آپ بھی اُن کی ضیافت قبول فرماتے۔

آپ عمر رسیدہ اَفراد کی خدمت کر کے نبی کی سنت پر عمل کرتے۔ ایک بار کوئی بوڑھا آدمی بوجھ تلے دبا ہوا بہ مشکل چل رہا تھا آپ دوڑ کر اُس کے پاس پہنچے اس کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا اور فرمایا: بڑے میاں! مجھے لے چلو جہاں جانا ہے۔ منزل مقصود پر پہنچ کر بوڑھے نے آپ کی طرف دیکھا تو پہچان کر معذرت طلب کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بڑوں کی خدمت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا درس ہے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے عزیز واقارب سے حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں جہاں خاندانی تعلقات تھے آپ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے اور اپنے سوتیلے بھائیوں سے بھی اُخوت ومحبت کا مظاہرہ کرتے یہی وجہ ہے کہ وہ بھی کربلا میں آپ کے دست وبازو بن کر لڑتے رہے اور شہید ہو گئے۔

صحابہ کرام حسن وحسین سے اظہارِ محبت کر کے اور ان کی خدمت کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا غم ہلکا کرتے۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ان کے پاس اکثر تشریف لے جاتے اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اُن کو اپنے پاس بٹھا لیتے۔ ایک دفعہ فرمایا: تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو اس لیے کہ تم میرے محبوب کے نواسے ہو اور میرے دوست علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ہو۔ اور کہا کہ تم کو جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دیا کرو یا اپنی نانی عائشہ کو بتا دیا کرو۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اہل بیت عظام کی بے حد عزت وقدر کرتے تھے اور حسنین کریمین کو اپنی اولاد

سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ایک دفعہ مال غنیمت آیا اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے تقسیم کرنے بیٹھے تو سیّدنا حسن وحسین کو آپ نے پانچ پانچ ہزار درہم دیے، جب کہ اپنے بیٹے کو صرف ایک ہزار درہم دیے۔ بیٹے نے ابا جان سے عرض کی: میں مہاجر ہوں، مقدم الاسلام ہوں، خلیفۂ وقت کا بیٹا ہوں، میں زیادہ حق رکھتا ہوں۔عمر فاروق بیٹے کی بات سن کر فوراً بولے: بیٹا! جو تیرا حق تھا تجھے مل گیا، جو مرتبہ ان کا ہے وہ تیرا نہیں ہوسکتا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیّدنا فاطمہؓ کے لختِ جگر ہیں، تُو ان کے منصب کو کبھی نہیں پہنچ سکتا اس پر سیّدنا عبداللہ خاموش ہو گئے۔

ایک بار امیر المومنین سیّدنا عمر فاروقؓ نے حاکمِ یمن کی طرف سے آئے حُلّے (ایک قسم کا لباس) لوگوں میں تقسیم کر دیے تو سیّدنا حسن اور حسین بھی تشریف لائے۔آپ نے فرمایا جو حُلّے تقسیم کیے گئے وہ ان کی شان اور مرتبے کے مطابق نہیں تھے۔آپ نے حاکمِ یمن کو لکھا کہ اعلیٰ قسم کے دو حُلّے جلد از جلد بھیج دیجیے۔اُس نے حکم کی تعمیل میں دو بہترین حُلّے بھیج دیے۔سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ حُلّے حضراتِ حسنین کریمین کو پہنا دیے اور فرمایا: شکر ہے اس اللہ کا جس نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے عزیز واقارب کے مقابلے میں سیّدنا حسن وحسین کو اُنس ومحبت اور دینے دلانے میں ترجیح دیتے تھے۔

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں اہل بیت کے احترام کو ملحوظ رکھا۔ایک دفعہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ خطبے میں لوگوں کو اہل بیت سے محبت کی تلقین فرما رہے تھے۔انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ دہرائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے بعد غدیرِ خُم کے مقام پر ارشاد فرمائے تھے:

''خبردار اے لوگو! بے شک میں انسان ہوں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نمائندہ آئے تو میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں۔مسلمانو! میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ چلا ہوں ان میں سے ایک تو اللہ کی کتاب ہے جس میں روشنی اور ہدایت ہے سو اللہ کی کتاب کو خوب مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اس کے ایک ایک حکم پر عمل کرو۔آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی خوب رغبت دلائی۔دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں ان کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں کہ ان کے حقوق ومراعات کا ہر ممکن خیال رکھا جائے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: ۲۴۰۸)

سیّدنا عثمان نے دورانِ خطبہ حسن وحسین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ ان سے بھی محبت رکھے اور ان کے درجات پہچانے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آخر دم تک اہل بیت خصوصاً حسن وحسین کے حقوق کا خیال رکھا۔سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے خود بھی اعتراف کیا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں سیراب کیا، اللہ ان کو سیراب کرے۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا عثمان رضی للہ عنہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ دہشت گردوں نے جس وقت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا تو اس وقت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر نوجوان صحابہ کرام کے ہمراہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ بلوائیوں کے حملے کے دوران آپ نے بھرپور مزاحمت کی اور زخمی بھی ہوئے۔

محاربات میں شرکت:

چونکہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ عہدِ عثمان رضی اللہ عنہ میں سن بلوغت کو پہنچ گئے تھے، اس لیے آپ نے میدان جہاد میں شجاعت کے جوہر بھی دکھائے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو فوج افریقہ روانہ کی، سیّدنا حسین اس میں شریک ہوئے۔ افریقہ فتح ہونے تک دشمنوں سے لڑتے رہے۔ طرابلس، سبیطلہ اور قفصہ کی جنگ میں بھی تیغ زنی کے جوہر دکھائے۔ طرابلس، خراسان، قومس، نہاوند، جرجان، طمیسہ، بحیرہ وغیرہ کی لڑائیوں میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے شرکت فرمائی اور اللہ کی نصرت سے ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی جمل، صفین اور نہروان کی لڑائیوں میں اُن کے ہمراہ شریک رہے۔

خارجیوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ ان کے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ وہ اتحاد اُمت کے داعی اور صلح جو شخصیت تھے۔ انھوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

سیّدنا حسن و حسین نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دونوں بھائیوں کے بڑے معقول وظیفے مقرر کیے۔ اس کے علاوہ عطیات بھی ارسال کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرات حسنین کریمین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے دونوں کو دو دو لاکھ کا عطیہ دیا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں غزوۂ قسطنطنیہ میں بھی شرکت فرمائی۔ سیّدنا معاویہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کی تالیف قلبی کا خصوصی خیال رکھا۔

عرب کی دھرتی پر فتح مکہ کے بعد اسلام مخالف قوتیں دم توڑ گئیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مدعیان نبوت، مانعین زکات اور مرتدین نے سر اُٹھایا۔ اللہ کی نصرت اور سیّدنا صدیق اکبر کی ایمانی قوت اور استقامت نے ان فتنوں کا قلع قمع کیا۔ دورِ فاروقی میں کسی فسادی کو رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دورِ عثمانی کے آخر میں ان فتنوں نے پر پرزے نکالے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے شہادت قبول کر لی لیکن مدینۂ نبی میں کسی کا خون

بہانے کی اجازت نہ دی۔

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بلوائیوں کی شورش نے نازک صورت اختیار کر لی۔ دہشت گردوں کی دورُخی پالیسی کی وجہ سے مسلمانوں کے مابین مسلح جنگیں ہوئیں جن میں ہزاروں افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے تو انھوں نے بھی مناسب سمجھتے ہوئے بصیرت افروز فیصلہ کیا اور سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ نواسۂ رسول کے اس مستحسن اقدام سے اسلامی سلطنت کو بے مثال استحکام نصیب ہوا اور داخلی سطح پر بھی امن قائم ہو گیا۔

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد فسادی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جنھوں نے پیش کش کی کہ آپ مدعیِ خلافت بن کر کھڑے ہو جائیں تو نجد، حجاز کے علاوہ یمن اور عراق کے لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے صاف جواب دیا:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب تک زندہ ہیں معاہدہ قائم رہے گا میں اس کو کسی حالت میں توڑ نہیں سکتا۔''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حکومت کو استحکام نصیب ہوا، بحری بیڑے نے وسعت اختیار کر لی اور بیرونی فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اپنی زندگی میں ہی یزید کو ولی عہد نام زد کر دیجیے، تاکہ آپ کے بعد ملتِ اسلامیہ انتشار کا شکار نہ ہو۔ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تجویز سن کر شرط لگائی کہ دیار و امصار کے نمائندے جو تحریک اُٹھائیں تو اس پر غور کیا جائے گا۔ ۵۹ھ میں کوفہ و بصرہ کے وفد سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جن میں سیّدنا احنف بن قیس جیسے سرکردہ اور دوسرے بڑے لوگ بھی شامل تھے۔ اس کے بعد دوسرے علاقوں سے بھی وفود آئے جنھوں نے اسلامی حکومت کی یک جہتی و سلامتی کی خاطر یزید کی ولی عہدی پر رضامندی کا اظہار کیا۔ کثیر صحابہ کرام نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی لیکن پانچ اصحاب نے بیعت کرنے سے پس و پیش کیا۔ عبدالرحمان بن ابی بکر امیر یزید کی جانشینی سے قبل فوت ہو گئے۔ جب دوسرے لوگوں نے امیر یزید کی بیعت کر لی تو سیّدنا عبداللہ بن عباس اور سیّدنا عبداللہ بن عمر نے بھی بیعت کر لی۔ البتہ سیّدنا حسین بن علی اور سیّدنا عبداللہ بن زبیر اپنے موقف پر قائم رہے۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف فکری و اجتہادی نوعیت کا تھا کہ خلافت پر میرا حق فائق ہے۔

سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۲۲ رجب ۶۰ھ کو وفات پائی۔ ان کے بعد یزید کو سلطنت کا والی مقرر کیا گیا۔ یزید نے صوبائی عمال کو بیعت عام کے لیے خطوط لکھے۔ مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ نے ۲۷ رجب کو بیعت عام لی۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اس میں شامل نہیں ہوئے۔ کسی نے باز پرس نہ کی۔ ۲۸ رجب کو آپ کنبے کے افراد کے ہمراہ حرم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ۳ شعبان کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ والی مکہ عمرو بن سعید بن عاص نے

آپ سے بیعت پر اصرار کیا اور نہ ہی آپ کی نقل وحرکت پر پابندی عائد کی۔ آپ چار ماہ امن وامان سے وہاں رہے۔ اہل کوفہ کو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی جائے۔

انھوں نے یکے بعد دیگرے سیکڑوں خطوط لکھ کر آپ کو کوفہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہزاروں وفادار جان نثاری کے لیے تیار ہیں۔ سیّدنا حسین نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو اہل کوفہ نے پرتپاک خیر مقدم کیا چند دنوں میں سیکڑوں ساتھیوں نے جان نثاری کی بیعت کی تو انھوں نے بھی سیّدنا حسین کو خط لکھا کہ کوفہ میں ہزاروں ساتھی نصرت کے لیے تیار ہیں آپ جلدی تشریف لائیں۔

سیّدنا حسین بن علی کی تیاری کی خبر مشہور ہوئی تو عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہم اور دیگر عقیدت مندوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حرم چھوڑ کر کوفہ مت جائیں یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے آپ کے والد سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور بھائی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو نیزوں سے زخمی کیا۔ لیکن سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے فیصلے پر قائم رہے اور ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مقامِ صفاح پر عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آ رہا تھا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اہل کوفہ کا کیا حال ہے؟ فرزدق نے جواب دیا: ''اہل کوفہ کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں حکومت کے ساتھ۔'' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تقدیر میں لکھ دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔'' (تاریخ طبری: ۵/ ۳۸۶)

فلسفۂ شہادت:

اٹل حقیقت ہے کہ تقدیر کا فیصلہ تدبیروں پر غالب ہو کر رہتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

{وَمَا تَشَآئُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝} [التکویر: ۲۹]

''اور تم بغیر پروردگار عالَم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔''

رشتہ دار اور عقیدت مند سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکتے رہے، مگر آپ نہ رکے۔ جب سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی بدعہدی کو آنکھوں سے دیکھ لیا تو آپ نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو ابن زیاد کے لشکر نے آپ کو محصور کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے لوحِ تقدیر پر موت وحیات کے بارے جو لکھ دیا ہے دنیا کی کوئی قوت اسے

تبدیل نہیں کرسکتی۔ اللہ نے جنتی جوانوں کے سردار سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نصیب میں کربلا کے ریگ زار میں (جہاں نہ آب و دانہ، نہ سایہ اور اوٹ) جہاں شہادت کی موت کا اعزاز لکھ دیا، وہاں اقرباء کی تدبیریں مغلوب ہو گئیں اور تقدیر کا فیصلہ غالب ہو کر رہا۔ قرآن نے سچ فرمایا:

{وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمۡرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝} [یوسف: ۲۱]

''اللہ اپنے امر پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔''

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ نے محبت کی آڑ میں دورُخی پالیسی اختیار کرنے والوں کو بے نقاب کر دیا کہ وہ اہل بیت کے وفادار نہیں بلکہ اسلام دشمنوں کے آلہ کار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں ((الصلاۃ! الصلاۃ!)) فرما کر نماز قائم کرنے کی وصیت فرمائی۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ شہادت سے قبل فجر کے وقت ((الصلاۃ! الصلاۃ!)) کہہ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ سیّدنا حسین نے اپنے نانا اور والدِ گرامی کی وصیت پر عمل کیا۔ کربلا کے تپتے میدان میں تلواروں کی چھاؤں اور نیزوں کی بارش میں نماز پابندی سے قائم کرتے رہے اور ساتھیوں کو بھی اسی کی تلقین کرتے رہے۔

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ سے عقیدۂ توحید کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل کو خطوط کی تصدیق کے لیے اس لیے کوفہ روانہ کیا کہ خود نہیں جانتے تھے۔ اگر آپ کو عطائی علمِ غیب حاصل ہوتا کہ اہل کوفہ نے بیعت کے نام پر حقیقت میں بدعہدی کی ہے تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ہرگز عازمِ کوفہ نہ ہوتے، یقیناً اللہ تعالیٰ کے علاوہ دل کے بھیدوں کو کوئی نہیں جانتا۔

ایک غالی طبقہ سیّدنا علی المرتضیٰ اور ان کے فرزند سیّدنا حسین کو مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں اور ان کے نام کی نیاز پکا کر تقسیم کرتے ہیں، اُنھیں سانحۂ کربلا کے دل خراش منظر کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کربلا کے ریگ زار میں ۱۰ محرم کو دشمن کی طرف تیر پھینک کر جب جنگ کا آغاز کر دیا تو اس وقت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں نے مردانہ وار دفاع کیا، اسی وقت خیامِ حسینی سے سسکیوں کی آواز آئی۔ آپ خیام میں تشریف لے گئے اور ان کو صبر کی تلقین کی۔ اسی اثنا میں علی اصغر طفل شیر خوار کے رونے کی آواز آئی تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اسے گود میں لیا اور بوسہ دینے کے لیے جھکے، مگر اس سے پہلے حرملہ بن کاہل اسدی کا تیر لگا جو ان کے حلق میں پیوست ہو گیا اور وہ معصوم سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بازوؤں میں دم توڑ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ننھے منے لختِ جگر سیّدنا ابراہیم کی روح پرواز کرنے میں توحید کا سبق پنہاں ہے، اسی طرح سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بازوؤں میں علی اصغر کی مظلومانہ شہادت رہتی دنیا تک درس

دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مشکل کشا نہیں۔ مذکورہ واقعات قرآن کریم کی عملی تفسیر ہیں:

{وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ} [یونس:۱۰۷]

''اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے کوئی اس کو دُور کرنے والا نہیں۔''

اللہ اپنے نیک بندوں کو آزمائش اور تکالیف سے دوچار کرتا ہے۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ آزمائش، تکلیف اور مصیبت کو دُور کرنے والا کوئی نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے میدان کربلا میں ۷۲ جاں نثاریکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ آپ نے صبر وسکون کا مظاہرہ فرمایا اور ان کی شہادت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے رہے۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ مستورات کے خیموں میں تشریف لے گئے، اپنی ہمشیرہ زینب کو پریشان حال دیکھا تو انھیں بھی صبر کی تلقین فرمائی۔

عصرِ حاضر کے جدت پسند اسکالرز وسائل کی قلت کا جواز پیش کر کے جہاد سے جی چراتے ہیں، تاریخ پر نظر ڈالیں جب کربلا کے میدان میں جنگ ناگزیر ہوگئی تو اس وقت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ۷۲ تہی دست جاں نثاروں کی معیت میں اسلحہ سے لیس پانچ ہزار کے لشکر کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور شہادت کا اعزاز حاصل کر کے دنیا و آخرت میں زندہ وجاوید بن گئے۔

محبت کی آڑ میں مکر وفریب سبائیت ہے اور وسائل کی قلّت کے باوجود جان کا نذرانہ پیش کرنا فلسفۂ شہادتِ حسین ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں طاغوتی قوتوں کے خلاف جرأت اور استقامتِ عمل کی توفیق دے، آمین۔

(بقیہ: علمائے کرام کی قدر کیجیے) لہٰذا کلمہ گو نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ہوش وفہم، اپنی سوچنے اور سمجھنے کی قوت کو فاسد فکروں کا اسیر نہ بنائیں، بے نشان تیر مارنے والوں کو نشانہ باز نہ کہیں، صرف ناموں اور اصطلاحوں کی شہرت میں علمِ حقیقی کو پیٹھ پیچھے نہ چھوڑ دیں۔ علم کی راہ بڑی پُر خطر ہے، اگر اس میں آدمی تھوڑا سا بھی بہک گیا تو سمجھو ڈوب گیا۔ اس لیے دھیان رکھنا چاہیے کہ علم وسائنس کے نام پر اگر کوئی آپ کو اپنے دین سے، قرآن وحدیث سے، اسلامی شعائر سے، اپنے علماء سے، اپنی تاریخ وتمدن سے دُور کر کے بدظن بنا رہا ہے تو فوراً سنبھل جایئے کہ وہ علم دوست نہیں، بلکہ ایک بہروپیا ہے، جو آپ کی عقلی ذہانتوں کو آپ سے چھین کر آپ کو بے عقلی کی راہ پر لگانا چاہتا ہے اور کوئی بھی صاحبِ بصیرت عقل ودانش رکھتے ہوئے اپنے آپ کو بے عقلی کا عبرت کدہ نہیں بنا سکتا۔

ائمہ وخطبا کی ذمہ داریاں

مولانا عبدالواحد رسول نگری

امام اور خطیب کی ذمہ داری سمجھنے سے پہلے ہمیں اس اہم نکتے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ امام اور خطیب کا تعارف مسجد کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داریاں بھی مسجد کے عنوان سے ہیں۔ خود مسجد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا مقام رکھتی ہے اور اسلامی سوسائٹی میں کیا مقام رکھتی ہے اور اسلامی سوسائٹی میں مسجد مسلمانوں کی کن کن ضروریات کو پورا کرسکتی ہے؟ جب مسجد کی وہ حیثیت جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، سامنے آئے گی تو مسجد کی مناسبت سے امام اور خطیب کا بھی تعارف ہے، وہ بھی سامنے آئے گا۔

مسلمانوں کی چار ضروریات مسجد سے وابستہ ہیں:

مسلمانوں کی چار اہم ترین ضروریات ہیں جو مسجد سے پوری ہوتی ہیں: (۱) پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ایک عبادت گاہ چاہیے۔ (۲) دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ایک درس گاہ چاہیے جہاں سے وہ اپنی روزمرہ زندگی میں علمی طور پر رہنمائی لے سکے۔ (۳) تیسری چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے کردار، احوال اور قلب کی اصلاح کے لیے کوئی تربیت گاہ چاہیے اور (۴) چوتھی چیز مسلمانوں کے پاس ایک ایسا ادارہ ہو جہاں وہ باہم ملاقات کرسکیں، بہت قریب ہوکر ملیں، ایک دوسرے کو دیکھ سکیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھ سکیں، کھڑے ہوسکیں۔ یہ چار چیزیں مجموعی طور پر ہماری ضرورت ہیں۔

امام وخطیب کی ذمہ داریاں:

عبادت گاہ کا وجود، درس گاہ، تربیت گاہ، باہمی رابطے اور ملاقات کا ادارہ۔ غور کریں تو مسجد کو اللہ پاک نے ان چیزوں کا مرکز بنایا ہے اور مسجد کا امام وخطیب ان چاروں چیزوں کا نگران اور ذمہ دار ہے۔ امام وخطیب کی ذمہ داریوں میں سب سے پہلی چیز اس حوالے سے کہ مسجد عبادت گاہ ہے، یہ شامل ہے کہ ہر وقت عبادت کا اہتمام کرے، لوگوں کو عبادت کی ادائیگی میں سہولیات فراہم کرے۔ اوقات نماز، اذان وغیرہ امام ان کو اپنی ذمہ داریوں میں لے۔ یہ معنیٰ نہیں کہ خود وہ اذانیں دے بلکہ یہ کہ بروقت اذان ہورہی ہے، جماعت ہورہی ہے، اس کا دھیان رکھے۔ ایسے ہی امام کی ذمہ داریوں میں عبادت کی ادائیگی کے وقت، نمازیوں پر دھیان رکھنا کہ ان کی صفیں درست ہیں، صفوں کے اندر کوئی خلل تو نہیں اور آج کل ایک اور چیز کی طرف توجہ دلانا بھی امام کی ذمہ داریوں میں آچکا ہے۔

جب کوئی نمازی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے تو تقریباً ہر نمازی کی جیب میں موبائل فون بھی ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف توجہ دلانی چاہیے کہ فون کو بند کرلیا جائے تاکہ عبادت کی ادائیگی میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

امام مقتدیوں کی رعایت رکھے:

امام چونکہ عبادت کا نگران بھی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عبادت کی ادائیگی میں نمازیوں کا لحاظ کرے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں تخفیف قراءت کا تذکرہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں ، بیمار ہیں، مسافر ہیں، کمزور ہیں، ضعیف ہیں۔ امام صرف اپنے ذوق عبادت کو سامنے رکھ کر امامت نہ کرائے۔

یہ تو ذمہ داریاں ہیں جن کا تعلق اس بات سے ہے کہ مسجد عبادت گاہ ہے۔ مسجد کا خطیب جمعہ کی خطابت کے لیے وقت مقررہ کا ضرور لحاظ رکھے۔ ہماری کوتاہیوں میں سے ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم جو وقت لوگوں کو بتادیتے ہیں، اس وقت پر عبادت کا اہتمام نہیں کرتے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوجاتیں ہیں اور ہمارے دل میں بات آتی ہے کہ دو منٹ اور بات کرلیں، شاید لوگوں کے دل میں دین کی اور باتیں بھی آجائیں؛ لیکن لوگ وقت مقررہ سے ایک سیکنڈ بھی اوپر ہوجائے تو اس کو بوجھ سمجھتے ہیں۔

مسجد ایک درس گاہ بھی ہے:

مسجد کا ایک تعارف اس حوالے سے ہے کہ مسجد مسلمانوں کی درس گاہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسجد نبوی میں مسلمانوں کی درس گاہ کا کردار ادا کیا گیا۔ آج بھی مسلمانوں کی بنیادی دینی تعلیم کی ضروریات مسجد ہی سے پوری ہورہی ہیں۔ مثلاً ہر مسلم گھرانے کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ان کے بچے کم از کم ناظرہ تو پڑھ سکیں، لہٰذا اسی بنیاد پر مسجد دیہات کی ہو یا شہر کی، کینٹ کی ہو یا ڈیفنس کی، وہاں اس بنیادی ضرورت کا ضرور اہتمام ہوتا ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر روزمرہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں دینی، علمی رہنمائی کی فراہمی بھی مسجد سے متعلق ہے۔ اگر کوئی شخص تجارت سے وابستہ ہے تو اس کی تجارت کے مسائل میں رہنمائی، کوئی شخص زراعت سے وابستہ ہے تو اس کی اس میں رہنمائی، کوئی شخص کسب یعنی محنت مزدوری سے وابستہ ہے تو اس کی اس میں رہنمائی، پھر گھریلو احکام ومسائل طلاق، نکاح وغیرہ اور اس کے علاوہ بے شمار مسائل ہیں۔ یہ سارے کے سارے مسائل مسجد کے منبر ومحراب سے پورے ہوں گے۔ بالخصوص آج کے زمانہ میں اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ جب مسجد منبر ومحراب سے یہ ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آرہی تو وہ ٹی وی چینلوں کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں اور ٹی وی چینلوں کے سامنے بیٹھے ہوئے دانش وروں سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھنے لگے ہیں۔ وہ اپنے استخارے، اور دیگر مسائل کے لیے امام وخطیب کی طرف رجوع کرنے کی بجائے کسی کی اور طرف کر بیٹھے۔ وہ کیوں گئے؟ یہ

ایک الگ عنوان ہے۔ان میں ایک کوتاہی میری اورآپ کی ہے کہ ہمارا مطالعہ بہت قلیل ہے۔ہم صحیح طریقے سے ان کی رہنمائی کرہی نہیں سکتے۔آدمی نے روزہ رکھا ہےتو کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے،نماز پڑھ رہے ہیں تو دوران نماز میں کن چیزوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔اگر میں اورآپ یہ مسائل بتلانہیں سکتے توکم ازکم بتلانے والوں کی ضرورت اوراہمیت توان کے دلوں میں بٹھاسکتے ہیں کہ بھائی آپ ان شعبوں میں لگے ہیں،اس شعبہ کے مسائل جاننے کے لیےآپ کسی مدرسے کی طرف رجوع کریں۔

امام کو چاہیے کہ نوجوانوں کے سوالات کا سامنا کرے:

ایک کوتاہی ہماری یہ ہوتی ہے کہ ہمارا رویہ بہت سخت ہوتا ہے۔ایک نوجوان کے دل میں بہت سے سوالات کھڑے ہوسکتے ہیں۔دین کے حوالے سے وہ غلط فہمی کا شکار ہوسکتا ہے۔کوئی زہریلا مواد اس کے دل میں اشکال پیدا کرسکتا ہے۔وہ اشکال انتہائی سنگین ہوسکتا ہے۔اب اگر وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوال کو امام کے سامنے عرض کرتا ہےتوفوراً ہماری طرف سے سخت ترین جملہ اس کی طرف جائے گا:توتو دہریہ ہورہا ہے،توتو بددین ہورہا ہے۔اس کو کچھ کہنے دیں،اس کی زبان کی بات دل پرآنے دیجیے۔وہ آئے گی اوراس کی فکراس کی سوچ کا اندازہ ہوگا توہم اس کی رہنمائی کریں گے۔

ایک اوربات اسی مناسبت سے کہ مسجد درس گاہ ہےاورلوگوں کی علمی رہنمائی کا مؤثر ادارہ ہے،یہ بھی عرض کردوں کہ ایک امام وخطیب یہ دیکھے کہ میری یہ مسجد آئینی،قانونی اوردستوری طور پرجس مسلک سے وابستہ ہےاور یہاں کے نمازی جس مسجد سے وابستہ ہیں،اگران نمازیوں کواپنے مسلک پرعمل کرتے ہوئے کوئی بات پوچھنے کی نوبت آجاتی ہے،مثلاً کوئی آدمی کسی دوسرے مسلک کی مسجد میں چلاگیااوروہاں کسی نے کوئی بات ذہن میں ڈال دی تواس کی ٹھیک ٹھاک علمی رہنمائی کی جائے۔مثال کےطور پرمیں حنفی المسلک ہوں۔میرے نمازی بھی حنفی المسلک ہیں۔یہاں کوئی دوسرے مسلک کا آدمی آجائے تووہ اونچی آواز میں آمین کہہ دیتا ہےاورلوگ اس کو ڈانٹیں تو وہ دوچار حدیثیں سنادیتا ہے۔اب لوگ لامحالہ طور پرامام صاحب کی طرف رجوع کریں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہےتوامام صاحب کوایسے میں کم ازکم اپنے مسلک کی علمی بنیاد انتہائی مضبوط رکھنی چاہیےاوروہ خودبھی اس کے لیے تیاررہے۔مسجد کے ساتھ ایک لائبریری کا انتظام بھی ہوناچاہیے۔

مسجد میں درس قرآن اوردرس حدیث کا اہتمام ضروری ہے:

میں نے دوحیثیتوں کے حوالے سے بات کی ہے۔ایک تویہ کہ مسجد عبادت گاہ ہے،میری اس حوالے سے کیاذمہ داری ہے۔دوسری مسجد درس گاہ ہے،میری اس حوالے سے کیاذمہ داری ہے۔اس ذمہ داری کے اندر یہ شامل ہے

کہ لوگ جو مسجد سے علم حاصل کریں گے، اس کے مختلف درجے ہیں۔ ایک درجہ تو یہ ہے کہ باضابطہ وہ درس گاہ کے اندر آ کر پڑھیں۔ یہ بہت محدود درجہ ہے، بہت محدود لوگ آئیں گے۔ ترجمہ قرآن کی کلاس لگ گئی، بہت لوگ آئے۔ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ علمی معلومات فراہم کرنے کے لیے درس قرآن اور درس حدیث کا انتظام ہونا چاہیے اور پھر اس سے بھی وسیع دائرہ ہے اور وہ جمعۃ المبارک۔ ہماری ترجمہ کلاس میں تھوڑے لوگ ہوں گے، جمعہ میں زیادہ ہوں گے۔ درس سے زیادہ لوگ جمعہ کے موقع پر آئیں گے۔

جمعہ کا بیان بہت طویل نہ ہو:

جمعہ کی نماز میں خطبہ میں ہمارا بیان مضبوط علمی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ کوئی وقت تھا کہ لمبی تقریر کرنے والے شخص کی خطابت کا چرچا اور شہرت ہوتی تھی۔ ساری ساری رات تقریر چلتی تھی۔ آج معیار بدل چکا ہے۔ لوگوں کے پاس مختصر وقت ہے، اس مختصر وقت میں اپنی بات لوگوں کو سنائیں۔ ایک وقت تھا کہ ایک خطیب الفاظ کے انتہائی نادر نمونوں کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ تقریر میں ایک لفظ آ گیا تو دوبارہ نہ آئے۔ لوگ اس کا معنیٰ و مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی کتابیں دیکھتے رہیں۔ لیکن آج یہ معیار بدل چکا ہے۔ انتہائی سادہ لب ولہجہ اور لوگوں کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے۔ لفظوں کی بادشاہت وہاں نہ ہو بلکہ جتنے گمراہ لوگ ہیں جنھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا، انہوں نے طرز گفتگو انتہائی سادہ رکھا ہے۔ طرز گفتگو خطیب کا انتہائی سادہ ہو۔ تیسری چیز یہ کہ کوئی وقت تھا کہ لوگوں کی معلومات کا مکمل مرکز وہ خطیب کی خطابت ہوتی تھی۔ مولانا صاحب نے جو بیان فرما دیا، وہی ان کا دین ہے اور وہی ان کی شریعت ہے۔ لیکن معاف کرنا، آج لوگوں کی معلومات کے ذرائع بڑھ چکے ہیں۔ آج کسی عنوان پر بات شروع کریں تو لوگ فوراً کہہ دیں گے کہ یہ بات میں نے فلاں جگہ پر پڑھی ہے۔ آج نیٹ کی سہولت ہر نوجوان کے پاس ہے، کمپیوٹر، بڑی سے بڑی لائبریری ایک پرزے کے اندر جمع ہے اور وہ منٹوں میں اسے دیکھ لیتے ہیں، اس لیے میں اور آپ مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لیں کہ لوگوں کی معلومات کا انحصار اب صرف میری خطابت پر نہیں بلکہ خارجی ذرائع پر بھی ہے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ مسجد درس گاہ ہے، علم کا مرکز ہے، خطیب اور امام کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی اس دائرے میں بھرپور رہنمائی کریں۔ مسجد باہمی ملاقات اور رابطے کا ادارہ ہے، امام یہاں کن کن طریقوں سے لوگوں سے رابطہ کرے، کیسے لوگوں کو جوڑے، یہ ان کی ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کیا مشکلات ہیں، میرے خیال میں ان مشکلات کو تفصیل کے ساتھ لانا ضروری نہیں۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

علمائے کرام کی قدر کریں

مولانا طارق علی عباسی

''علماء کی قدر کرنا سیکھیں''..... یہ الفاظ کہنے کو تو عام اور سادہ سے ہیں، مگر شاید غور نہ کرنے کی وجہ سے بے معنیٰ سے معلوم ہوتے ہیں۔ علماء، جنہوں نے خود کو خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر رکھا ہے، اپنی خواہشوں کو قربان کر کے سب کے لیے خیر خواہی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، بے لوث ہو کر دینی تعلیم و اقدار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں اور اسی عظیم القدر فریضہ کو نبھانے کے لیے وہ اپنا لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا تک نچھاور کر دیتے ہیں، شریعت کے احیاء اور اس کی حفاظت و ترقی اور قومی فلاح و بہبود کے لیے پیش پیش رہتے ہیں۔ ہر وقت اسلامی تعلیمات کی ترویج اور مسلمانوں کی درستی و اصلاح کے کاموں میں مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگ علماء ہوتے ہیں۔ کوئی عالم ایسے ہی عالم نہیں بن جاتا ہے، بلکہ وہ قربانیوں کی کانٹوں سے سجی ہوئی سیج پر سے گزر کر ہی عالم بنتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس راہِ علم و حکمت میں اپنی جان کی قربانی دے دیتا ہے، مگر علم و حکمت کے جھنڈے کو باطل کے پاؤں میں روندنے نہیں دیتا۔ مسلمانوں کے سماج میں آج کی نئی نسل کو غور کرنا چاہیے کہ ان کی دینی اقدار سے جو اس قدر دُوری پیدا ہو گئی ہے تو اس کے پیچھے معاشرہ میں موجود علماء کی بے قدری، ان کی خدمات سے اغماض برتنا، ان کی اہمیت کو گھٹانا، انہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کا دشمن خیال کرنا وغیرہ جیسے کئی ایسے نارَوا خیالات کارفرما ہیں کہ جن کے جھانسے میں آ کر، نوجوان نسل، اپنے ہی مخلصین علماء سے بدظن ہو رہی ہے۔ علماء سے بدظنی انہی نوجوانوں کو ایسے ایسے شنیع کاموں میں دھکیل کر مبتلا کر رہی ہے کہ انسانیت شرما جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ نوجوانوں کے لیے علم و تحقیق کا منبع و ماخذ جب فیسبوک، یوٹیوب اور محض گوگل وغیرہ ہی بن جائے تو انہیں کون یقین دلائے کہ ڈم کٹی ہوئی باتوں کا صحیح و مستند سراغ، آپ کو کتابوں میں ملے گا، جہاں سے آپ، گمراہ کرنے والے عناصر کی چالاکیوں کو بھانپ کر اور ان کی مکاریوں کے بھیانک نتائج کو معلوم کر کے اپنے سمیت دیگر نوجوانوں کو بھی مکر و فریب کی ان پیوندکاریوں سے بچا سکتے ہیں، مگر جب نئی نسل، کتابوں کے شائق محققین علماء ہی سے بغض و عناد رکھتی ہو تو ایسے افراد میں کتاب دوستی کیوں پروان چڑھے گی؟

ہمارے نوجوانوں کا ماجرا بھی کچھ عجیب سا ہے، وہ دینی تعلیمات کو اسکول و کالجز اور یونیورسٹیوں میں پڑھانے

والے الحاد میں مبتلا استادوں، بے دین پروفیسروں اور یوٹیوبروں وغیرہ سے سیکھ کر یا ان کی طرف سے بتائی ہوئی متعصب انگریز مفکروں کی کتابوں کا مطالعہ کرکے دین کو ویسا سمجھنے لگتے ہیں، جس کی جانب بہت عرصہ پہلے توجہ دلاتے ہوئے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ معارف جولائی 1931 کے شذرات میں ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں:

''اصلی مرض کیا ہے؟..... یہ ہے کہ ہمارے دلوں سے خود ہمارے علماء، مصنفین اور مؤرخین کی قدر و منزلت گر گئی ہے۔ آج ہم کو قرآن کی کسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کی صحت کا یقین اس وقت تک نہیں آتا، جب تک اس کی تائید میں کسی گولڈزیہر، کسی انگریزی (پی ایچ ڈی، پروفیسر) ڈاکٹر، کسی ڈاکٹر ٹائلر کا قول نظر سے نہ گزرے، یہی حال آج اسلام کی تاریخ وتمدن کا بھی ہے کہ وہ جب تک نولدیک، زاخاؤ، ڈوزی، نکلسن اور مارگولیوتھ کے قلم سے نہ نکلے، مسلّم نہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ دشمنوں کے گھر سے زہر کے بجائے نوشدارو (یعنی فرحت بخش معجون) ملنے کی توقع کرنا کس قدر بے سود ہے۔

یہ ہمارے نوجوانوں کا اصل مسئلہ ہے، پڑھنے والوں کو اس اقتباس میں موجود نام اجنبی سے معلوم ہوتے ہوں گے، مگر آج کل گمراہی میں جن اشخاص کی پیروی کی جاتی ہے، وہ دراصل ان ہی جیسوں کی باتوں کو لیکر نئی نسل کو ورغلاتے ہیں۔

معاشرہ میں سے جب نیکی و بدی کا احساس ہی مٹ جائے اور گناہ سے عار ہی محسوس نہ تو حقائق و واقعات کو ہلکے میں لیا جاتا ہے، پھر ہوتا یوں ہے کہ طرزِ معاشرت میں نیکی و بدی آپس میں خلط ملط ہوکر اپنا تشخص کھو دیتی ہے۔ یہی حال آج کل ہمارے نوجوانوں کا بھی ہے کہ بڑی ہوشیاری سے انہیں علماء سے اتنا بدظن کیا گیا ہے کہ اب وہ اسلام ہی پر ٹیڑھے میڑھے سوالات کھڑے کررہے ہیں، اسلامی شعائر پر اپنے لایعنی خیالات کا اظہار کررہے ہیں۔ دراصل ایسا کچھ ان کا اپنی عقلوں کو کُند بنانے سے ہوا ہے، اگر وہ اپنی عقلوں سے صحیح سوچ سمجھ کا کام لیں تو انہیں ہر چیز، اپنے اپنے دائرہ کار میں نظر آئے اور انہیں علماء کی محنتوں کا پتہ بھی چلے کہ کہاں کہاں پر اور کیسے کیسے اَنہونے اور انوکھے طریقوں سے ان کی مخلصانہ محنتیں، اپنا کام کررہی ہیں اور اپنا اثر بھی دکھارہی ہیں۔ جو لوگ علماء پر اور دین پر طرح طرح کے اشکالات اور بے سروپا اعتراضات کررہے ہوتے ہیں، انہی پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ ان کے یہ اشکالات کن لوگوں کی پیروی ہے؟ جو لوگ علم و سائنس کے علم بردار ہونے کا دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں، ان کے مقابلہ میں علماء کی دینی، قومی و سماجی خدمات، ایک سنہری تاریخ ہے، جن سے آنکھیں چُرانا کسی کور باطن ہی کا کام ہوسکتا ہے، منصف مزاج کا ہرگز نہیں۔ (باقی صفحہ نمبر:53)

ولی کامل حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ رحمہ اللہ

سید ذکر اللہ حسنی

خانقاہ، تصوف، روحانیت، سالک، زہد، تقویٰ، مجاہدہ، اصلاحی تعلق وغیرہ جیسے الفاظ اس دور میں ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ شیخ سے بیعت ہونے کے بعد مجاہدہ کیا ہوتا ہے اور اصلاح کی خاطر اپنے آپ کو مٹا دینا کسے کہتے ہیں؟ یہ سب افسانوی باتیں لگتی ہیں، مگر فیصل آباد کی سرزمین پر سلسلہ قادریہ کا ایک مہکتا پھول اپنی خوشبو پھیلاتا رہا جس نے ان سب نایاب باتوں کو نہ صرف عملی شکل میں زندہ کیا بلکہ سالکین میں ان کی تربیت کی جھلک نظر آتی ہے۔

حضرت جی سید جاوید حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ یکم جنوری 1948 کو مغل پورہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نواحی گاوں کلویا میں منتقل ہوئے تو پھر ابتدائی زندگی یہیں گزری۔ آپ نے 1961 میں مڈل کلاس پاس کی۔ مڈل کلاس میں اسکول بھر میں اول درجہ حاصل کر کے اساتذہ کی توجہ حاصل کی اور حکومت کی طرف سے وظیفہ جاری ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے دینی تعلیم شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں آپ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ہی مدرسہ مدنیہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس مدرسہ میں آپ نے 6 سال تک تعلیم حاصل کی۔ یہیں پر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ سے آپ نے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ 1968 میں آپ نے جنوبی پنجاب کے معروف تعلیمی ادارے دارالعلوم کبیر والا میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے چار سال تک تعلیم حاصل کی اور دورہ حدیث بھی یہیں کیا۔ دورہ حدیث کے اختتام پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحانات میں آپ نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

1971 میں آپ نے جامعہ خیر المدارس ملتان میں داخلہ لیا۔ یہاں پر آپ نے تکمیل کی اور معقولات و دیگر علوم وفنون کی منتہی کتابیں پڑھیں۔ آپ نے دو سال تک یہاں تعلیم حاصل کی۔ جبکہ سال کے آخر میں آپ نے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ سے فقہ و افتاء کی تعلیم حاصل کی اور تمرین افتاء بھی کی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ آپ کے استاذ تھے اور جامعہ دارالعلوم کبیر والا میں آپ ان کے اچھے شاگردوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جامعہ خالد بن ولید وہاڑی کے مولانا محمد امین بھی حضرت جی مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب کے استاذ ہیں۔

1974 میں اپنے محبوب استاذ کے حکم پر آپ نے جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا میں پڑھانا شروع کیا۔ یہاں آپ

نے گیارہ سال تک تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اس دوران آپ نے بخاری شریف کے علاوہ حدیث کی تمام کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم فیصل آباد میں پڑھانا شروع کیا۔ یہاں پر 19 سال تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ 1988 آپ نے ''جامعہ عبیدیہ فیصل آباد'' کی بنیاد رکھی اور یہاں پر تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ جامعہ عبیدیہ علامہ اقبال کالونی سمندری روڈ کے بانی و مہتمم بھی تھے اور ساتھ ہی شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر بھی تھے۔ ہر سال شعبان اور رمضان المبارک میں دورہ تفسیر بھی کرواتے۔ اب طلباء کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر حضرت جیؒ کے ہاتھوں جامعہ عبیدیہ کا ایک کیمپس سمندری روڈ بائی پاس پر بھی شروع کیا گیا ہے۔ جہاں حفظ و درس نظامی کی ابتدائی کلاسیں شروع ہیں۔ جس کا افتتاح حضرت جیؒ نے بڑی محبت سے کیا تھا اور آپ کی وہاں منتقل ہونے کی خواہش بھی تھی۔ اس وقت جامعہ عبیدیہ کی 45 شاخیں اطراف واکناف میں کام کر رہی ہیں۔

جب آپ نے جامعہ عبیدیہ شروع کیا تو ایک کمرے کی ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ دو تین ساتھی اساتذہ جو صرف اخلاص کی دولت سے مالا مال تھے کے ہمراہ تدریس شروع کی۔

حضرت سید جاوید حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب ابتداء میں دارالعلوم اور جامعہ عبیدیہ میں سلسلہ تصوف اور ذکر کی مجالس شروع کیں تو اس وقت بڑے بڑے روحانی معاملات آشکارا ہوتے مگر حضرت نے کبھی عجز وانکساری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، ہمیشہ اپنے سالک سے بھی دعا کا فرما دیتے۔

تب کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک پرانے ہمسائے نے بتایا کہ حضرت جی سائیکل پر آتے، گرمیوں میں پھوڑے پھنسیوں سے پوری کمر بھری ہوتی اور ایک پتلا سا ململ کا کرتہ ہی جسم پر ہوتا مگر کبھی سبق اور مجلسِ ذکر کا ناغہ نہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر آخری وقت میں انہوں نے آسائشیں دیکھی ہیں اور آج جامعہ عبیدیہ ایک شجر سایہ دار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے تو اس کے پیچھے ان کی یہ محنت اور اخلاص، غربت وفقر کے ساتھ استغناء بھی ایک وجہ ہے، آپ کبھی کسی سے شکوہ نہیں کرتے تھے۔

آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تصوف اور سلوک کی منزلیں بھی طے کیں۔ 1972 میں آپ نے حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ تصوف کی منزلیں طے کرتے ہوئے ذکر سبعہ صفات تک پہنچے تو حضرت بہلویؒ کا وصال ہو گیا۔ آپ بچپن سے ہی حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے کارناموں سے واقف تھے۔ ان سے دلی مناسبت اور قلبی تعلق بھی بہت تھا۔ اس لیے آپ نے 1977 میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے صاحبزادے حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ 1983 میں آپ کو خلافت سے نوازا گیا۔ آپ نے اپنے پیر خانے سے عقیدت کا ایسا رشتہ نبھایا کہ گھنٹوں بزرگوں کے واقعات سناتے اور کبھی نہ تھکتے۔

انہیں چاروں سلاسل طریقت میں خلافت واجازت بیعت حاصل تھی۔حضرت امام لاہوری نوراللہ مرقدہ کے مداح جبکہ مفسر قرآن حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے۔حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی، حضرت مولانا خواجہ خان محمد، حضرت مولانا علی مرتضیٰ ڈیروی، حضرت مولانا مفتی عبدالستار، حضرت سید نفیس الحسینی رحمہم اللہ سمیت متعدد اہل اللہ کی روایات کے امین تھے۔آپ نے پوری زندگی درس وتدریس اور احکام شریعت کی پاسداری واشاعت میں گزاری۔

ہر بدھ کو خانقاہ عبیدیہ علامہ اقبال ٹاؤن میں مجلس ذکر کرواتے اور سالکین کو وعظ فرماتے تھے۔ان کے ملفوظات کی درجنوں کتابیں شائع ہوئیں۔آپ کے مواعظ کی کئی جلدوں پر مشتمل کتاب ''مجالس ذکر'' بھی مریدین میں مقبول ہے۔رمضان المبارک میں اصلاح وسلوک کے لیے آنے والوں کی بہت بڑی تعداد آپ سے کسب فیض کرتی۔دنیا بھر میں لاکھوں افراد تک آپ کا فیض پہنچا۔ایک بڑی تعداد نے آپ سے علم دین حاصل کیا۔

حضرت جی 76 سال کی عمر میں 3 مئی 2024 بروز جمعہ کو عشاء کے بعد قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔مخدوم زادہ سید زکریا شاہ وانتظامیہ خانقاہ عبیدیہ نے 05 مئی 2024 بروز اتوار سہ پہر تین 3 بجے پہاڑی والی گراؤنڈ فوارہ چوک نزد دارالعلوم فیصل آباد میں جنازے کا وقت اور مقام مشاورت سے طے کیا۔

مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسماندگان میں ایک بیوہ (سالکین میں معروف نام امی جی)، کے علاوہ اکلوتے فرزند سید محمد زکریا شاہ، تین بیٹیاں، تین داماد سید محمد سبیل حسنی، سید ابوبکر گیلانی، سید محمد زید الحسینی اور پوتا محمد المعروف شاہ جی، پوتیاں، نواسے، نواسیاں، ہزاروں شاگرد اور مریدین سوگوار چھوڑے ہیں۔آپ تقریباً اڑھائی سال سے ہفتے میں اکثر تین دفعہ گردوں کی صفائی کرواتے تھے۔دل کا بائی پاس بھی ہو چکا تھا۔اس کے باوجود بستر علالت پر بھی معمولات جاری تھے۔3 مئی کو جمعہ کی شب عشاء کی نماز کے بعد معمولی طبیعت خراب محسوس ہوئی مگر جانبر نہ ہو سکے اور جامعہ عبیدیہ فیصل آباد میں ہی انتقال فرما گئے۔آپ نے جہان فانی سے رخصت سے پہلے خطیر رقم طلباء میں صدقہ کی۔آخری وقت میں آپ نے تین دفعہ کلمہ طیبہ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' ادا کیا۔

آپ کی نماز جنازہ صاحبزادہ وجانشین حضرت مولانا زکریا شاہ صاحب نے موقع پر موجود تمام خلفاء اور بزرگوں کے حکم ومشاورت سے پڑھائی۔جنازہ سے قبل معروف علماء مولانا طارق جمیل صاحب، مولانا منیر منور صاحب نے مختصر گفتگو کی۔نماز ظہر کے بعد ایک تحریر لکھ کر تمام خلفاء نے صاحبزادہ مولانا سید زکریا شاہ صاحب کو جانشین مقرر کیا۔آپ کا جنازہ فیصل آباد کے چند بڑے جنازوں میں شمار ہوتا ہے جس میں عوام کا جم غفیر شریک ہوا۔پیپلز کالونی بٹالہ کالونی پہاڑی گراؤنڈ، دھوبی گھاٹ اور ڈی گراؤنڈ سے کئی گنا بڑا ہونے کے باوجود تنگی داماں کا منظر پیش کر رہا

تھا۔تپتی گرمیوں کی دوپہر میں مجمعے کے لیے اہل علاقہ نے مشروبات کی سبیلیں لگادیں۔حضرت جی رحمہ اللہ نے اپنی وصیت میں اپنی قبر کے لیے مسجد کے ساتھ جگہ خریدنے کا کہا تھا۔ مالکان کو رقم دے کر حضرت جی کی قبر تیار کی گئی۔ جو اب مرجع خلائق اور تجلیات وانوارات کا مرکز ہے وہاں ہمہ وقت تلاوت قرآن ہوتی رہتی ہے۔

رابطہ کرنے پر بتایا گیا کہ حضرت جیؒ کے دنیا بھر میں تقریباً 131 خلفاء ہیں۔جن کا ریکارڈ خانقاہ عبیدیہ میں مرتب کیا جارہا ہے۔جوالگ سے خانقاہ اپنی ترتیب سے شائع کرے گی۔

اسی طرح حضرت جی رح کی جانشینی کے لیے وصیت کے مطابق خاندانی سربراہ کا فیصلہ امی جان نے کیا جبکہ سلسلہ اور خانقاہ کے جانشین کا فیصلہ حضرت جی رح کے خلفاء اور قریبی ساتھیوں حضرت مولانا منیر احمد منور، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد قاسم، حضرت مولانا مفتی ندیم قاسمی ودیگر احباب نے کیا۔اور صاحبزادہ حضرت مولانا سید محمد زکریا شاہ صاحب دامت برکاتہم جانشین نسبی وروحانی قرار پائے۔حضرت جیؒ کے جانشین مخدوم زادہ مولانا سید محمد زکریا شاہ صاحب مدظلہ کو جن مشائخ سے روحانی سلاسل میں بیعت کرنے کی اجازت ہے۔ان میں سلسلہ قادریہ راشدیہ میں حضرت اقدس آفتاب ولایت مرجع الخلائق سیدنا ومرشدنا سیّد جاوید حسین شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا میاں محمد اجمل قادری دامت برکاتہم، حضرت اقدس حاجی نثار احمد خان فتحی رحمہ اللہ (کراچی)، سلسلہ نقشبندیہ اور شاذلیہ میں حضرت مولانا عبدالمجید جامی (مقیم مدینہ منورہ) شامل ہیں۔

آپ کی رحلت پر مذہبی سیاسی قائدین اور شیوخ طریقت، مختلف مسالک کے علماء وعمائدین بھی تعزیت کے لیے خانقاہ عبیدیہ آئے۔ جے یو آئی کے سربراہ مولانا فضل الرحمن اور ان کی جماعت کے سینیئر رہنماؤں کی بڑی تعداد الگ الگ تعزیت کے لیے آئی۔ایک ماہ تک افسوس کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔اب حضرت جی کے جانشین مخدوم زادہ سید زکریا شاہ اپنے والد اور شیخ کے نقش قدم پر ہر بدھ کو جامعہ عبیدیہ میں خانقاہ سلسلہ عالیہ راشدیہ کے فیض کو عام کرنے میں مصروف ہیں اور ملک کے طول وعرض میں خانقاہی مجالس برپا کررہے ہیں۔

تحریکات اسلامی ہوں یا مدارس کے تحفظ کے حوالے سے کوئی بھی تحریک ہو حضرت جی سید جاوید حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ان کی سرپرستی فرماتے۔تمام مدارس دینیہ اور ہر اسلامی سیاسی تحریک کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ اس حوالے سے تو بہت سی باتیں لکھنے کو ہیں۔مگر چند الفاظ کا مجموعہ ایک مضمون میں ناکافی ہوگا۔اللہ پاک حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پر اربوں کھربوں رحمتیں نازل فرمائے... آمین!۔

زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین

تالیف: حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مقدمہ وتصحیح وتعلیقات: ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا۔ صفحات: 411 طباعت: مناسب۔ پیپر اعلیٰ، ملنے کا پتا: خانقاہ سراجیہ نقش بندیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی۔ رابطہ نمبر 0300-6090543

برصغیر کی تاریخ میں حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک باکمال صاحب علم وتقویٰ شخصیت گزرے ہیں۔ آپ 1551 عیسوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا گھرانہ علم وفضل میں معروف تھا۔ اسی ماحول میں پرورش اور تعلیم وتربیت پائی۔ بیس بائیس سال کی عمر میں آپ اس وقت کے مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے۔ 966 ہجری 1588 عیسوی میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور وہاں کبار علماء وشیوخ اور اہل باطن سے استفادہ کیا۔ بالخصوص شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ خلیفہ مجاز شیخ علی متقی کی صحبت میں رہ کر حدیث وتفسیر اور تصوف کی کتب بالاستیعاب پڑھیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تقریباً دو برس حرمین شریف مقیم رہے۔ اس دوران شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر نامور فقہاء ومحدثین، مفسرین اور صلحاء امت سے اکتسابِ فیض کیا۔

زیر نظر کتاب ''زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین'' ان ہی علماء وصلحاء کے احوال ومناقب اور ملفوظات کا مرقع ہے۔ اس میں عرب وعجم کے صوفیہ، اہل اللہ اور فقراء کے سبق آموز واقعات ہیں، نیز اس دور کے سیاسی، تاریخی، سماجی اور اجتماعی حالات کا تذکرہ بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی تب پریس نہیں تھا، کتاب کی نقول تیار کی جاتیں اور اہل شوق انہیں خریدتے، اس نقل در نقل میں بعض نسخوں میں بعض فاش قسم کی اغلاط بھی در آئیں، چنانچہ جناب ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب نے زادالمتقین کے فارسی متن کی درستی اور تحقیق کا بیڑا اٹھایا اور اس کتاب پر اس پائے کا تحقیقی کام انجام دیا کہ آپ کو پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی عطا کی گئی۔

جناب رانجھا صاحب نے بڑی محنت سے اس کتاب کے متعدد مخطوطات حاصل کر کے ان کا تقابل کیا اور ایک تحقیقی متن تیار کیا، آغاز میں ایک وقیع مقدمہ لکھا ہے اور آخر میں رجال وکتب اور اماکن (جن کا ذکر کتاب میں ہوا ہے) کے متعلق تحقیقی تعلیقات لکھیں، جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس کتاب کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں، ایک معروف ترجمہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ مگر جناب رانجھا صاحب کے کام کی نوعیت دوسری ہے۔ امید ہے کہ اہل شوق کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے، اور اپنے لیے سرمۂ بصیرت بنائیں گے۔